1102

بچوں کا اسلام

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار 15 ربیع الاوّل 1445ھ
مطابق یکم اکتوبر 2023ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

تم وہ نہیں ہو

چیلوں کی شاہانہ اڑان

انتقام

القرآن

اے مجرمو! الگ ہو جاؤ

پھر اس دن کسی شخص پر ذرا ظلم نہ ہو گا اور تم کو بس انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے، اہلِ جنت بے شک اس روز اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے، وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، ان کے لیے وہاں میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے انھیں ملے گا، ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا، اور اے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔ (سورۂ یٰسین۔ آیت 54 تا 59)

الحدیث

جرم کی وجہ سے عذاب

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
’’میت کے ورثاء میت پر نوحہ اور رونا دھونا کرتے ہیں جبکہ میت کو تو اس کے اپنے جرم اور گناہ کی وجہ سے ہی عذاب دیا جاتا ہے۔‘‘

(صحیح بخاری)

دستک

محبت بھرے شکوے!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

پچھلے دنوں دائرۂ بچوں کا اسلام کے احباب کے ساتھ پاکستان کے ایک تصوراتی سفر کی روداد اِس صفحے پر کچھ اقساط میں شائع ہوئی۔ اُس پر جو ردِعمل آیا ہے، واللہ وہ حیران کر دینے والا تھا۔ ملک بھر سے قارئین نے اِس سلسلے کو باوجود فرضی روداد ہونے کے اتنا پسند کیا، اتنا سراہا ہے کہ سچ میں لطف آ گیا۔ باقاعدہ فرمائشیں ہوئیں کہ اسے الگ صفحے پر سہی مگر جاری رکھیں۔ قارئین کو یہ ایک بڑا دلچسپ، دلکش اور انوکھا تجربہ لگا۔

مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ کوئی سوچا سمجھا سلسلہ نہ تھا، بلکہ ایک دستک ’’اور سناؤ‘‘ لکھنے کے فوراً بعد اچانک ہی اِس سفر کا خیال آیا اور پہلی قسط سرزد ہو گئی......!

ارادہ پہلے یہی تھا کہ ایک ہی دستک لکھ کر سفر کو نمٹا دیں گے، مگر جیسے منہ زور دریا کے سامنے لاکھ رکاوٹیں کھڑی کی جائیں، وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتا اور اپنا راستہ خود بناتا چلا جاتا ہے، ایسے ہی تحریر بھی جب رواں ہو جائے تو اسے آپ روک نہیں پاتے، وہ خود اپنے آپ کو لکھواتی ہے، سو ہم سے بھی یہ ختم نہ کیا گیا۔ ہم بستی بستی قریہ قریہ آگے بڑھتے چلے گئے اور اِن شہروں سے نسبت رکھنے والے جو نام ذہن میں آتے چلے گئے، انھیں اُن کے سوہنے شہروں کے تذکرے میں شامل کرتے چلے گئے، اور ظاہر ہے لکھتے ہوئے وہی نام بے ساختہ ذہن میں آئے جو لکھاری ہیں یا ’’آمنے سامنے‘‘ میں باقاعدگی سے تبصرے لکھتے ہیں۔

لیکن پھر بھی کچھ باقاعدگی سے لکھنے والے نام رہ ہی گئے......!

اِس پر کئی قارئین کے شکوے بھی موصول ہوئے، اور یہ شکوے اپنی جگہ بجا تھے۔

اِن سطور کے ذریعے ہم تمام قارئین سے معافی چاہتے ہیں اور اُن دوستوں اور بہن بھائیوں سے بھی، جن کے شہروں میں باوجود خواہش کے ہم ’’جسمِ خیالی ومثالی‘‘ کے ساتھ نہ آ سکے۔

اچھا دو تین سادہ دل معصوم قاری تو ہم پر شکایت کی تلوار سونتے بھی آئے، جنھوں نے اِس فرضی تصوراتی سفر کو نجانے کیسے ایک حقیقی سفر سمجھ لیا تھا اور ہم سے شدید ناراض ہو گئے کہ آپ ہمارے شہر کیوں نہیں آئے؟ کیا ہم آپ کا استقبال نہیں کرتے؟ آپ سب کی دعوت نہیں کرتے؟

مثلاً اٹھارہ ہزاری جھنگ سے بھائی جاوید اقبال ساقی کا ایک تند و تیز خط تو اِس وقت بھی ہمارے سامنے میز پر رکھا ہے، جسے پڑھ کر ہمیں سچی بات ہے کہ حیرت بھی ہوئی کہ اُن کا ذکرِ خیر تو ہم نے کیا بھی تھا۔

خیر ہمیں شکایت کے پردے سے شریر بچوں کی طرح جھانکتی اس بے پناہ محبت نے بہت مسرور کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ سبھی کی محبتوں کو قبول فرمائے، آمین!

ویسے آپ سب کے اتنے سراہنے کے بعد تو دل اس خواب جیسے سفر کو حقیقت میں ڈھالنے کے لیے مچلنے لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہم ’’آل پاکستان ٹوور‘‘ پر کبھی نہ کبھی ضرور نکلیں گے اور ایک ایک کر کے آپ سب کی بستیوں میں ایک آدھ دن گزاریں گے۔

بس یہ دعا کیجیے گا کہ یہ سب ذرا جلدی ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سب ’’بچے‘‘ تو جوان ہو جائیں اور ہم نقلی بتیسی لگائے ایک بوڑھے بابا......!

لاٹھی ٹیکتے بستی بستی قریہ قریہ گھومتے ہم کیسے مضحکہ خیز لگیں گے ناں......!

اُف اس سے قبل کہ ایک لاٹھی ٹیکتی تصوراتی روداد شروع جائے، ہم چلتے ہیں۔

والسلام

مدیر مسئول

محمد فیصل شہزاد

اے اللہ!

اللھم طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِی مِنَ الرِّیَاءِ وَ لِسَانِیْ مِنَ الْکذب وَ عَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْر۔ (مشکوٰۃ)

اے میرے اللہ! میرے دل کو نفاق سے پاک کر دیجیے اور میرے کام کو دکھاوے سے اور زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے، کیوں کہ آپ آنکھ کی خیانت اور دل کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

دو کام کرلو!

بنت مولوی شبیر احمد۔ وہاڑی

ہم شہرِ نبی میں تھے۔ حج سے فارغ ہو چکے تھے۔ واپسی قریب تھی۔ دیارِ حبیب سے بچھڑنے کا غم کھائے جاتا تھا۔ ایک ایک چیز کو آنکھ بھر بھر کے دیکھتے کہ ہر منظر ذہن کی اسکرین پر یوں نقش ہو کہ اَن مٹ ہو جائے۔

ایک دوست نے مدینہ منورہ کے نخلستان میں دعوت کا اہتمام کیا اور بتایا، وہاں ایک اہل نظر اور صاحبِ حال بزرگ موجود ہوں گے۔

اس بات پر بہت خوشی ہوئی کہ شہرِ محبوب میں کسی اہلِ نظر سے ملاقات ہوگی۔ وقت مقررہ پر وہاں پہنچے۔ بعد از طعام قہوہ کا دور چلا۔ فارغ ہوئے تو ایک نوجوان اس بزرگ سے گویا ہوا: ''حضرت اک سوال عرض کرنا چاہتا ہوں.....!''

اور پھر کچھ کہنے سے قبل اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ حالت غیر ہوگئی اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ ہم سب نے مل کر ڈھارس بندھائی۔ بزرگ نے تھپکی دی دلاسہ دیا مگر اس کی حالت سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

ہم حیران تھے کہ آخر اسے پریشانی کیا ہے؟

بڑی مشکل سے وہ گویا ہوا کہ حضرت قرآن مجید کہتا ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ۔

(بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔)

مجھے چوبیس پچیس سال ہو گئے نماز پڑھتے ہوئے۔ باجماعت پڑھتا ہوں، پہلی صف کا نمازی ہوں مگر میری نماز خود برائیوں کا مجموعہ ہے۔ دورانِ نماز وہ برے برے خیال آتے ہیں کہ بیان کروں تو مر جانے کو جی چاہتا ہے۔ آخر میری نماز مجھے برائیوں سے کیوں نہیں روکتی؟'' یہ کہہ کر پھر اس کی حالت غیر ہوگئی۔

میں نے زندگی میں پہلی بار کسی نوجوان کو دین کے نقصان پر یوں بلک بلک کر روتے دیکھا تھا۔ مجھے اس کی حالت پر رشک آ رہا تھا۔

وہ رویا اور جی بھر کے رویا۔

شیخ نے اسے اپنے پاس بلایا، اسے عجوہ دی اور سینے سے لگایا، پھر بہت شفقت سے کہا:

''بیٹا! دو کام کرلو، زندگی شاندار اور نمازیں جاندار ہو جائیں گی۔''

ہم سارے ہمہ تن گوش ہو گئے، کیونکہ ہم بھی اس مرض میں مبتلا تھے۔

بزرگ نے فرمایا: ''پہلی بات یہ ہے کہ ہر آنے والی نماز میں گزری ہوئی نماز کی غلطیوں کو یاد کر کے ان کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر نماز میں یہ خیال کرو کہ کوئی بے نمازی آپ کی کوشش سے نمازی بن جائے۔''

اگر یہ دو کام کرلو گے تو تمھاری نمازیں شاندار ہو جائیں گی۔ خود بھی اجلی اور پاکیزہ ہو جائیں گی اور تمھاری زندگی کو بھی خوب صورت بنا دیں گی۔

ہم نے دوبارہ دہرانے کی گزارش کی تو فرمایا:

''ہر آدمی کی ہر نماز میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے، جسے وہ جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اپنی نماز کی خامیوں کو ڈھونڈنا اور اگلی نماز میں ان سے بچنا، اور دوسرا کام بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی محنت کرنا، بس یہ دو کام کرلو تو تمھاری نماز شاندار ہو جائے گی۔''

نوجوان کے آنسو رک گئے۔

ہمارے چہروں پر بھی خوشی کے آثار تھے۔

☆☆☆

نفع دیتی ہے نصیحت اہلِ ایماں کو ضرور!

جب عوام الناس خود اصلاح پر مائل نہیں
بادشاہوں کو برا کہنے سے کچھ حاصل نہیں
کیا امیروں ہی کی ساری خصلتیں مذموم ہیں؟
کیا غریبانِ وطن اصلاح سے غافل نہیں
دیکھنا یہ ہے کہ پبلک کتنی ہے منصف مزاج
یہ تو ہم بھی جانتے ہیں حکمراں عادل نہیں
حق غصب کرنے سے کوئی چوکتا کب ہے یہاں
اس طرح پبلک بھی کیا ظالم نہیں، جاہل نہیں!
کچھ نقائص تو سبھی میں پائے جاتے ہیں جناب
فی زمانہ تو کوئی انسان بھی کامل نہیں
دائمی عشرت کا سودا وقتی لذت کے عوض
دارِ فانی کا پجاری واقعی عاقل نہیں
سستی، غفلت، بے حسی بس آخرت کے ساتھ ہے
کارِ دنیا میں تو کوئی شخص بھی کاہل نہیں
جھوٹ، غیبت، مکر، رشوت، عصبیت، ظلم و ستم
کون سی ہے وہ برائی ہم میں جو داخل نہیں
فرد سے افراد اور افراد سے بنتی ہے قوم
سب بدل جائیں تو تبدیلی کوئی مشکل نہیں
نفع دیتی ہے نصیحت اہلِ ایماں کو ضرور
کاوشِ حاصلؔ یقیناً سعیِ لاحاصل نہیں

☆☆☆

حاصلؔ تمنائی

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1500 روپے بیرون ملک ایک میگزین 22000 روپے دو میگزین 25000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

تم وہ نہیں ہو

ابوالحسن حمزہ

''تم نے اُس یتیم کو کھانا کیوں نہیں کھلایا.....؟''

عجیب وغریب بڑھیا کو دیکھ کر سب قافلے والے دھک سے رہ گئے۔

یہ تجارتی قافلہ عرب کے مشہور قبیلے ''ثقیف'' کا تھا جو شام سے مالِ تجارت لے کر طائف لوٹ رہا تھا۔ قافلہ ایک صحرائی ٹیلے کے پاس سے گزر رہا تھا کہ وہ عجیب وغریب بڑھیا یوں اچانک اُن کے سامنے آ گئی جیسے ٹیلے کے اندر سے نمودار ہوئی ہو۔

اُس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور وہ ایک لاٹھی کے سہارے چل رہی تھی۔ اُس کی سفید پلکیں بے حد لمبی تھیں۔ اُس نے ایک ہاتھ سے لاٹھی سے سہارا لیا اور دوسرے ہاتھ سے پلکیں اٹھا کر قافلے والوں کی طرف دیکھا اور غصے سے بولی:

''تم نے اُس یتیم کو کھانا کیوں نہیں کھلایا.....؟''

''کس یتیم کو؟ ہمارے پاس تو کوئی نہیں آیا، جسے ہم نے کھانا نہ کھلایا ہو۔''

قافلے کے سردار اُمیّہ بن ابی صلت نے پوچھا۔

''تو پھر کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' بڑھیا نے انھیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

''لیکن میں بھی سچ بول رہا ہوں۔'' اُمیّہ بن ابی صلت بولا۔

''گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں ہی جھوٹی ہوں، تمھیں پتا بھی ہے کہ میں کون ہوں؟''

''نہیں، ہم آپ کو نہیں جانتے! جانیں بھی کیسے؟ ہم نے اس سے پہلے آپ کو کہیں نہیں دیکھا۔''

''میرا نام کیڑے مکوڑوں کی ماں ہے۔''

''کیا کہا.....؟ کیڑے مکوڑوں کی ماں!''

سب قافلے والے حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''ہاں..... کیڑے مکوڑوں کی ماں۔''

''عجیب بات ہے! اس سے پہلے اتنا عجیب وغریب نام نہیں سنا، خیر ہمیں کیا، یہ بتایئے کہ ہم نے کس یتیم کو کھانا نہیں کھلایا؟''

''تم نے کل رات جب نخلستان میں پڑاؤ ڈالا تھا اور تم رات کا کھانا کھانے لگے تھے، اس وقت ایک بھوکا گرگٹ تمھارے پاس آیا تھا، جسے تم نے کنکری مار کر بھگا دیا، وہ یتیم ہی تو تھا جسے تم نے کھانا نہیں کھلایا تھا، پھر تم لوگوں نے دسترخوان اُٹھایا اور وہاں سے چل دیے۔''

''تو پھر کیا ہوا، وہ گرگٹ ہی تو تھا۔''

''ہاں..... ہاں..... وہ تمھارے لیے ایک گرگٹ تھا لیکن میرا وہ بیٹا تھا۔ میں تمام کیڑے مکوڑوں کی ماں ہوں، اُن کا خیال رکھتی ہوں۔ انسانوں کے رب کی قسم! اب تمھیں ایک دُوسرے سے بچھڑنا ہوگا۔''

اتنا کہہ کر اس نے اپنی لاٹھی زمین پر دے ماری اور پھر کہنے لگی:

''بچھڑ جائے ان کا قافلہ
طویل عرصے کے بعد ہو اُن کا ملنا
بدک جائیں اِن کی سواریاں!''

اس کے اتنا کہتے ہی قافلے والوں کے اونٹ ایسے بدکے، جیسے انھوں نے کوئی شیطان دیکھ لیا ہو۔ انھوں نے اپنے اونٹوں کو قابو کرنے کی بے حد کوشش کی، لیکن اونٹ ان کے قابو میں نہیں آئے۔ وہ صحرا تھا۔ اونٹوں کے بدکنے سے ریت کا ایک غبار سا چاروں طرف چھا گیا۔ غبار چھٹا تو وہ سب صحرا میں بھٹک چکے تھے۔ بڑھیا بھی غائب ہو چکی تھی۔ وہ سب صحرا میں ایک دوسرے کو تلاش کرتے رہے۔ پیاس سے ان کا برا حال تھا۔ آخر خدا خدا کر کے دُوسرے دن شام کو ان کی ملاقات ہوئی۔ ابھی وہ چل کر ایک دوسرے کی خیریت ہی دریافت کر رہے تھے کہ وہ بڑھیا پھر سے آ دھمکی، اُس نے اپنی لاٹھی زمین پر ماری اور وہی بات دوبارہ کہی:

''بچھڑ جائے اِن کا قافلہ
طویل عرصے کے بعد ہو اُن کا ملنا
بدک جائیں اِن کی سواریاں!''

اونٹ پھر سے بدکنے لگے اور اِدھر اُدھر منتشر ہوتے چلے گئے۔

انھیں جمع کرتے کرتے ایک دن گزر گیا اور وہ لوگ دوسرے دن شام تک ایک دوسرے سے جدا رہے، پھر ان کی ملاقات ہوئی۔ جیسے ہی وہ لوگ مل کر سفر کرنے کا ارادہ کرنے لگے، وہ بڑھیا پھر سے نمودار ہوئی اور چیخ کر پھر سے وہی بات کہی۔

ایک بار پھر اونٹ بدک کر بھاگنے لگے۔

قافلے والے اس بڑھیا سے بہت بری طرح تنگ آ گئے تھے، ان میں سے کچھ اس بار کسی طرح بچھڑنے سے قبل اپنے سردار اُمیّہ بن ابی صلت کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ قبیلے کا سب سے نیک اور بزرگ آدمی تھا اور اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اُس کے قبضے میں

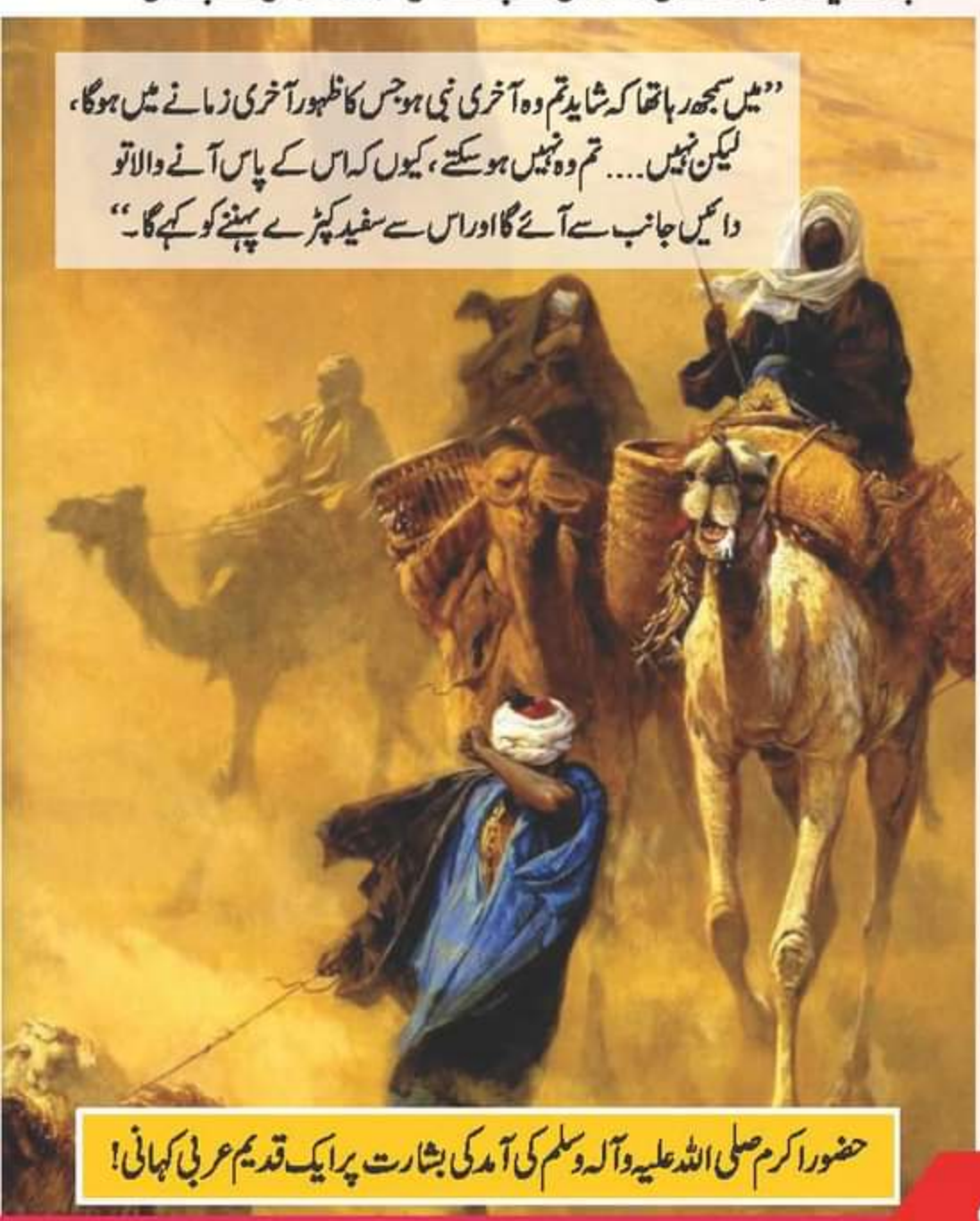

''میں سمجھ رہا تھا کہ شاید تم وہ آخری نبی ہو جس کا ظہور آخری زمانے میں ہوگا، لیکن نہیں..... تم وہ نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اس کے پاس آنے والا تو دائیں جانب سے آئے گا اور اس سے سفید کپڑے پہننے کو کہے گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی بشارت پر ایک قدیم عربی کہانی!

جنات ہیں۔

''تم تو اپنے بارے میں بڑے دعوے کرتے تھے ناں کہ میرے قبضے میں جنات ہیں، اب کچھ کر کے کیوں نہیں دکھاتے؟''

''آپ لوگ اونٹ تلاش کریں، میں کچھ کرتا ہوں۔''

اتنا کہہ کر وہ اس ریت کے ٹیلے کی طرف بڑھا، جس سے وہ بڑھیا نمودار ہوتی تھی۔

ٹیلے کے دُوسری جانب ایک بہت بڑی وادی تھی، وہ اس طرف بڑھنے لگا۔

وادی کے بالکل درمیان ایک بہت بڑا گرجا تھا، جو چراغوں سے ایسا روشن اور فروزاں تھا جیسا کہ چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے۔

اُمیّہ گرجا کی طرف بڑھا۔

گرجا کے دروازے پر پہنچا تو اُس نے دیکھا ایک بڑے میاں تخت پر گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔

قدموں کی آواز سن کر وہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُمیّہ کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے پکارے: ''مرحبا..... مرحبا..... اُمیّہ، میرے دوست!..... مرحبا۔''

اُمیّہ کو بے حد حیرت ہوئی، کیوں کہ اس نے اس سے پہلے اِن بزرگ کو دیکھا تک نہیں تھا، جب کہ بزرگ نے اُسے اُس کا نام لے کر پکارا تھا۔

''آپ..... آپ کون ہیں؟..... اور مجھے کیسے جانتے ہیں؟''

اُمیّہ کے لہجے میں حیرت بھری تھی۔

''میں اس گرجا کا راہب ہوں، اور اِس بات کو چھوڑو کہ میں تمھیں کیسے جانتا ہوں، یہ قدرت کے راز ہیں، تم نہیں سمجھ پاؤ گے۔ میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ تمھارے پاس ایک جن آتا ہے۔''

وہ بزرگ پُراسرار سے لہجے میں بولے۔ اُمیّہ کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

''اچھا نوجوان.....! یہ بتاؤ، وہ جن تمھارے پاس کس طرف سے آتا ہے؟''

بزرگ نے پوچھا۔

''وہ میرے بائیں طرف سے آتا ہے۔'' اُمیّہ بولا۔

''وہ تمھیں کس طرح کے کپڑے پہننے کا حکم دیتا ہے.....؟''

''کالے کپڑے۔''

''اوہ.....! پھر تم وہ نہیں ہو۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید تم وہ آخری نبی ہو جس کا ظہور قریب ہے، لیکن اس کے پاس آنے والا اس کے دائیں طرف سے آئے گا اور اسے سفید کپڑے پہننے کا کہے گا۔ اچھا یہ بتاؤ، تمھارا یہاں کیسے آنا ہوا.....؟''

بزرگ کو اچانک خیال آیا۔

امیہ نے اس شیطانی بڑھیا کا قصہ اُسے سنا دیا۔

تمام تفصیل سن کر وہ بولا:

''اوہ وہ ایک یہودن جادوگرنی ہے۔ اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ اپنے شوہر کے غم میں وہ پاگل ہو چکی ہے۔ وہ زمین کے تمام کیڑے مکوڑوں کو اپنی اولاد سمجھتی ہے اور خود کو ''کیڑے مکوڑوں کی ماں'' کہتی ہے، وہ بے حد ضدی اور خودسر ہے۔ کسی کی نہیں سنتی، وہ اب تم سب کو ہلاک کر کے ہی دَم لے گی۔''

''کیا اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں؟'' اُمیہ فکرمند ہو گیا۔

''تم واپس جا کر اپنی سواریاں جمع کرو، اس کے بعد جب وہ آئے، تو یہ کہنا: سات اُوپر سے، سات نیچے سے..... اور پھر پڑھنا: 'باسمک اللّٰھم' (اللہ کے نام سے) تو وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔''

اُمیّہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے واپس قافلے والوں کے پاس پہنچا۔

اس کے آنے تک قافلے والے سواریاں جمع کر چکے تھے۔

اچانک وہ بڑھیا بھی لاٹھی ٹیکتے ہوئے آ گئی اور تیزی سے وہی الفاظ بولنے لگی:

''بچھڑ جائے ان کا قافلہ۔۔ طویل عرصے کے بعد ہو ان کا ملنا.....''

ابھی اس بُڑھیا کا جملہ ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ اُمیّہ نے بلند آواز میں کہا:

''سات اُوپر سے..... سات نیچے سے..... باسمک اللّٰھم''

اُمیّہ کا یہ کلمات کہنا تھا کہ اس بُڑھیا کا منتر رائیگاں گیا اور اس بار قافلے والوں کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوا، نہ ہی ریت کا بگولا اُٹھا اور نہ ہی اُن کے اونٹ بدکے۔

بڑھیا کی حالت تو ایسی ہو گئی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''یہ..... یہ..... مقدس کلام تمھیں کس نے بتایا.....؟''

بڑھیا کے لہجے میں زمانے بھر کی حیرت تھی، پھر اُس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھنے لگی، پھر اچانک اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ.....! تمھیں اُس بوڑھے راہب نے یہ کلام بتایا ہے لیکن تم اس مقدس کلام کے اہل نہیں ہو، تم لوگ تو مشرک ہو۔''

بڑھیا ایک لمحے کے لیے رکی اور پھر اُمیّہ کی طرف اشارہ کر کے بولی:

''تمھارے جسم کا اُوپر کا حصہ سفید ہو جائے اور نچلا حصہ سیاہ۔''

اتنا کہہ کر وہ غائب ہو گئی اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اُمیّہ کو برص کی بیماری لگی، جس کا اثر جسم کے اوپر والے حصے پر ہوا اور نچلا حصہ سارا سیاہ ہو گیا۔

جب وہ لوگ مکہ واپس لوٹے تو انھوں نے لوگوں کے سامنے اس واقعے کا ذکر کیا اور پھر اس کے بعد عربوں نے اس بات کو اپنی عادت بنا لیا کہ وہ باسمک اللّٰھم (اے اللہ! تیرے نام سے) کا لکھنے اور بولنے میں اضافہ کرنے لگے۔

(ماخوذ از: قصص العرب)

☆☆☆

سوچیے

☆ ہم مایوس تب ہوتے ہیں جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ فلاں نے ہمیں کیا دیا!
اگر ہم یہ سوچیں کہ ہم کسی کو کیا دے سکتے ہیں تو ہم ہمیشہ امید اور جوش سے بھرے رہیں۔

☆ دوسروں کا احساس، اچھے جذبات سے جنم لیتا ہے، جب جذبات ہی نہ ہوں تو کسی کا بھی احساس نہیں ہوتا اور ایسے انسان اور پتھر میں کوئی فرق نہیں۔

☆ ہم دوسروں کی اصلاح کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ دوسرے ہمیں دیکھ کر اپنی اصلاح پر مجبور ہو جائیں۔

☆ دعا ہمیشہ دل سے نکلتی ہے۔ دعا کسی سے مانگ کر نہیں لی جا سکتی۔ جب کسی کے خلوص، ہمدردی، محبت اور اپنائیت سے کسی کو دلی مسرت ملتی ہے تو وہی وقت ہوتا ہے جب دل سے دعا نکلتی ہے۔

اور جب کسی کے کسی عمل یا بات سے کسی کی دل شکنی ہو تو وہی وقت ہوتا ہے بددعا کا جو زبان سے نہ بھی نکلے، مگر دل سے نکلتی ہے۔

(احمد سلطان۔ کراچی)

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

میرحجاز

اختر حسین عزمی

یہ نئے قمری سال کا پہلا دن اور بعثت نبوی کا ساتواں سال تھا۔ وادی مُحصّب کے خیف بنی کنانہ میں لوگوں کی چہل پہل عام دنوں سے زیادہ تھی۔ مکہ کے جنوبی مضافات میں آباد قریش کے حلیف قبیلے بنو کنانہ کی میزبانی میں جاری اجتماع کا جوش وخروش بتا رہا تھا کہ قریش بنو ہاشم کی ناکہ بندی کرنے کے لیے قطعی فیصلے کے موڈ میں ہیں۔ اب تک مسلمانوں کے سد باب کے لیے قریش نے اندرونی کوششیں کی تھیں لیکن اب ان کی نظر میں معاملہ اتنا سنگین اور بڑا ہو گیا تھا کہ انھوں نے اس معاملے میں اپنے حلیف قبیلے کی تائید وحمایت کو شامل کرنا بھی ضروری خیال کیا۔

دراصل مہینے کے اندر اندر قریش کو اسلامی دعوت کی طرف سے اتنے دھچکے لگے تھے جوان کی سوچ اور فکر پر تازیانے بن کر برس رہے تھے۔ پہلے حمزہ بن عبدالمُطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے پہلوان اور سورما شخص کا قبولِ اسلام، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے تلوار کے دھنی قریشی سپوت کا دامن اسلام میں پناہ لے لینا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عتبہ کی سودے بازی کی پیش کش کو مسترد کر دینا، خاندان بنو ہاشم کے سردار ابوطالب کا محمد کو قریش کے حوالے کرنے سے انکار، اور مزید خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کا محمد کی حفاظت کا عہد و پیمان کرنا، ان باتوں نے مشرکین قریش کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حوالہ کرنے کے لیے قریش آپ کے چچا ابوطالب کو جنگ کی دھمکیاں تو دے رہے تھے لیکن اگر قریش حضرت کو قتل کرتے یا خود بنو ہاشم و بنو مطلب کے خلاف جنگ شروع کر دیتے تو یہ سرزمین حرم میں ایسی خونریزی کا آغاز ہوتا جسے روکنا پھر قریش کے بس کی بات نہ ہوتا۔ اس لیے انھوں نے خونریزی سے بچنے، لیکن بنو ہاشم پر دباؤ بڑھانے کے لیے بنو ہاشم کے سماجی و معاشی مقاطعے (بائیکاٹ) کا فیصلہ کیا۔ بحث و مباحثے کے بعد طے پایا کہ:

”قریش کا کوئی بھی آدمی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ میل جول رکھے گا نہ شادی بیاہ کرے گا۔ ان سے خرید و فروخت کرے گا نہ ان کا قرض واپس کرے گا۔ جب تک یہ لوگ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کے لیے قریش کے حوالے نہ کر دیں، ان سے صلح نہ ہوگی۔“

یہ معاہدہ اُونٹ کی باریک جھلی پر بغیض بن عامر عبدری نے تحریر کیا۔ چالیس سردارانِ قریش نے اس پر دستخط ثبت کیے اور پھر اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔

قبائلی روایت کے لحاظ سے یہ انتہائی سنگین فیصلہ تھا، گویا قریش نے اپنے دو خاندانوں بنو ہاشم و مطلب کو طرد کر دیا تھا۔ اب اگر قریش یا دیگر قبائل یا ان کا کوئی فرد بنو ہاشم و مطلب پر کوئی دست درازی کرتا تو کسی بھی ہاشمی و مطلبی کو اخلاقی و قبائلی روایت کا تحفظ حاصل نہ ہوتا۔ اگر بنو ہاشم و مطلب خاندان قریش کے دیگر خاندانوں میں اب بھی گھلے ملے رہتے تو ہر گھڑی کسی بھی جھگڑے اور نقصان کا اندیشہ تھا۔ سوشل بائیکاٹ (مقاطعہ) کے باعث بنو ہاشم کو شہر میں رہنے کے فوائد نہ ہونے کے برابر جبکہ نقصانات بہت زیادہ تھے۔ اس لیے بنو ہاشم و مطلب کے بزرگ سردار اس مقاطعے کو اعلان جنگ تصور کرتے ہوئے اپنے خاندانوں اور ضروری سامان کو لے کر شعب بنو ہاشم میں محصور ہو گئے تاکہ معاشرتی مقاطعہ کرنے والوں کی کسی بھی کارروائی کا مل کر مقابلہ کیا جا سکے۔

بنو ہاشم اور بنو مُطلِب کے وہ افراد جو مسلمان تھے اور وہ بھی جو ابھی تک کفر پر قائم تھے، سبھی شعب ابی طالب میں اپنے سردار کے ہمرکاب تھے لیکن ابولہب نے اپنے بھائی اور بھتیجے کا ساتھ دینے کی بجائے قریش کا ساتھ دیا۔

شعب ابی طالب کی زندگی بڑی کٹھن زندگی تھی۔ یہاں موسمی اثرات سے بچنے کے لیے نہ تو مکانات اتنے تھے کہ سب کے لیے کافی ہوتے اور نہ کھانے پینے کا وافر انتظام تھا۔ عرب کی چلچلاتی دھوپ تھی جس سے پہاڑ جھلستے تھے۔ درخت اور سبزہ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مکہ سے نکلتے وقت جو اناج، غلّہ اور دیگر ضروریات بنو ہاشم لے کر آئے تھے، وہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ بھوک سے نڈھال شیر خوار بچوں کو جب دودھ نہ ملتا تو وہ چیختے بلکتے۔ روتے بلکتے بچوں کی درد بھری آوازوں کو سن کر ہمدردی کرنے کی بجائے قریش کے اوباش قہقہے لگاتے۔ بچوں کے والدین جب درہم و دینار لے کر تاجروں کے پاس کوئی چیز لینے جاتے تو مکہ کے مقامی تاجر معاہدے کی پابندی کے باعث کچھ بھی نہ دیتے۔ اگر بیرون مکہ سے کوئی تجارتی قافلہ آتا اور مسلمان کوئی چیز خریدنے پہنچ جاتے تو ابولہب ان قافلہ والوں کو کہتا کہ تم محمد کے ساتھیوں کو اتنی زیادہ قیمت بتاؤ کہ وہ خرید نہ سکیں اور ساتھ تسلی دیتا کہ اگر تمھارا مال فروخت نہ ہوا تو تمھارا خسارہ میں پورا کروں گا۔ بیرونی تاجر قیمتوں میں کئی گنا اضافہ کر دیتے حتیٰ کہ بنو ہاشم و مطلب کا شخص خالی ہاتھ اپنے بچوں کے پاس لوٹتا اور اس کے پاس بچوں کو بہلانے اور کھلانے کے لئے کچھ نہ ہوتا۔ مجبوراً مکہ سے دُور آباد دیگر قبائل سے اناج حاصل کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ علیؓ بن ابوطالب مکے سے دُور دُور تک چلے جاتے اور کسی قبیلے یا قافلے سے کچھ غلّہ وغیرہ خرید لاتے۔

شعب ابی طالب کے محصورین کی عمومی گزر بسر خریدے گئے غلے اور جانوروں پر تھی یا جو رشتہ دار چوری چھپے شعب میں صلہ رحمی کے ناطے سے کچھ بھیج دیتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کا مال بھی ان دنوں محصورین پر خرچ ہوتا رہا۔ جن تاجروں اور دیگر لوگوں پر ان کے احسانات تھے، وہ بھی خفیہ تعاون کرتے رہے۔ لیکن اس پر بھی دشمنانِ اسلام کے پہرے لگے ہوئے تھے۔

”رات کی تاریکی میں سامانِ خوراک سے لدے تین اُونٹ شعب ابی طالب میں پہنچ گئے۔“

”یہ کس نے پہنچائے؟“

”قریش کے ضابطے کی یہ دھجیاں کس نے بکھیریں؟“

صبح تک قریش کو سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔

ابوالحکم عمرو بن ہشام سردارانِ قریش کے ایک وفد کو لے کر ہشام بن عمرو عامری کے گھر پر پہنچا اور اسے بتایا کہ اس نے قریش کے ضابطے کی خلاف ورزی کی ہے۔

”اے فرزندانِ قریش! بھوکوں کو کھلانا کب سے جرم بن گیا؟“

ہشام عامری نے اُلٹا سوال کیا۔

”جو ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہیں، ہمارے معبودوں کی تذلیل کریں، بنو ہاشم ان کی پشتی بانی کرنا چھوڑ دیں تو انھیں کون بھوکا مارتا ہے۔“

سردارانِ قریش نے ہشام کو اتنا مجبور کیا کہ اس نے یہ کہہ کر جان چھڑائی:

”اچھا آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔“

اگلی رات ہشام پھر دو اُونٹ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ سردارانِ قریش کو پھر معلوم ہو گیا۔ اب انہوں نے ہشام پر لعن طعن کی بوچھاڑ کر دی، حتیٰ کہ تلواریں میانوں سے باہر آ گئیں۔ آخر ابوسفیان نے مداخلت کر کے ہشام بن عمرو عامری کی جان بخشی کروائی، لیکن ہشام اپنے حساس دل کے ہاتھوں مجبور محصور رشتہ داروں کو بھوک سے نڈھال نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ گاہے بگاہے رات کے اندھیرے میں سامان سے لدے اُونٹ شعب کے دہانے پر لے آتا اور پھر اُونٹ کو اپنی لاٹھی سے اندر ہانک دیتا۔

شعب میں مقیم لوگ سامان اتار کر اُونٹ کو واپس ہانک دیتے۔

(جاری ہے)

ایک گائے اور بکری

اک چراگہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں
کیا سماں اُ بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں
تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں
کسی ندی کے پاس اک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی
جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا
پاس اک گائے کو کھڑے پایا
پہلے جھک کر اسے سلام کیا
پھر سلیقے سے یوں کلام کیا
کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں؟
گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں
کٹ رہی ہے بری بھلی اپنی
ہے مصیبت میں زندگی اپنی
جان پر آ بنی ہے کیا کہیے
اپنی قسمت بری ہے کیا کہیے
دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں
رو رہی ہوں بروں کی جان کو میں
زور چلتا نہیں غریبوں کا
پیش آیا لکھا نصیبوں کا
آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اُس سے پالا پڑے خدا نہ کرے
دودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے
ہوں جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے
ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
کن فریبوں سے رام کرتا ہے
اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
بدلے نیکی کے یہ برائی ہے
میرے اللہ! تری دہائی ہے
سن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی: ایسا گلہ نہیں اچھا
بات سچی ہے بے مزہ لگتی
میں کہوں گی مگر خدا لگتی
یہ چراگہ یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایہ
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں
یہ مزے آدمی کے دَم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دَم سے ہیں
اس کے دَم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی کہ آزادی؟
سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گزران سے بچائے خدا
ہم پہ احسان ہے بڑا اُس کا
ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا
قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
گائے سن کر یہ بات شرمائی
آدمی کے گِلے سے پچھتائی
دل میں پرکھا بھلا برا اُس نے
اور کچھ سوچ کر کہا اس نے:
یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی

☆☆☆

ڈاکٹر علامہ اقبال

سعید لخت

انتقام

یہ واقعہ..... سچا واقعہ..... آج سے ۲۵ سال پہلے مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) کے اس مشہور جنگل میں پیش آیا، جسے سندر بن کہتے ہیں۔

اس جنگل میں ہرن، بارہ سنگے، تیندوے، ٹائیگر اور چیتوں کے علاوہ ہاتھی بھی پائے جاتے ہیں۔ چونکہ جنگل کی لکڑی سے حکومت کو کروڑوں روپے کی آمدنی ہوتی تھی، اس لیے حکومت کا محکمۂ جنگلات ہر وقت چوکس رہتا تھا کہ جنگل کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔

اب ہماری کہانی شروع ہوتی ہے۔

اس سال بارشیں بالکل نہیں ہوئی تھیں۔ گرمی بلا کی تھی۔ ندی، نالے، دریا، تالاب سوکھے پڑے تھے۔ کسانوں کی امید بھری نظریں آسمان کی طرف اٹھتیں اور مایوس ہو کر پلٹ آتیں۔ ان کے دل کہہ رہے تھے کہ بارش نہ ہوئی تو کھیتوں میں ایک دانہ بھی نہ اگے گا اور پھر سال بھر تک وہ اور ان کے بال بچے بھوک سے بلکیں گے۔

بارش نہ ہونے سے انسان ہی نہیں، جنگل کے جانور بھی پریشان تھے۔ وہ تالاب اور ندیاں جو پہلے پانی سے بھری رہتی تھیں اور ان سے سارا جنگل اپنی پیاس بجھاتا تھا، اب ان میں سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ نہ تھا۔ جانور جس سے بمشکل تھوڑی بہت نمی چوس لیتے تھے۔ مشکل ہاتھیوں کی تھی، جنھیں منوں پانی چاہیے ہوتا ہے۔ پینے کے لیے بھی اور نہانے کے لیے بھی۔

جب گرمی تڑاخے کی پڑے، بارش نہ ہو اور ہوا زور کی چلے تو ٹہنیوں کی رگڑ سے سوکھے درختوں اور جھاڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور ایک دفعہ جنگل میں آگ بھڑک اٹھے تو بہت تیزی سے سارے جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

اس سال چونکہ موسم خشک تھا اور جھکڑ چل رہے تھے، اس لیے جنگل میں آگ لگنے کا اندیشہ تھا۔ محکمۂ جنگلات نے اپنے افسروں کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے ماتحت ملازموں کے ساتھ جنگل کے مختلف حصوں میں کیمپ لگائیں اور جہاں کہیں آگ بھڑکے، فوراً بجھا دیں۔

ان افسروں میں ابوالقاسم نام کا ایک نوجوان بھی تھا۔ لمبا تڑنگا، گٹھے ہوئے جسم کا، خوب صورت نوجوان۔

ابوالقاسم نے اپنا کیمپ جنگل کے جس حصے میں لگایا تھا، وہاں ہاتھی رہتے تھے۔ اس کے ساتھ بیس پچیس آدمی تھے، جنھیں آگ بجھانے کا کافی تجربہ تھا۔ انھیں ہر وقت جنگل میں رہنا پڑتا تھا۔ اِس لیے وہ بیوی بچوں کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ یہ لوگ ہر روز نئی جگہ کیمپ لگاتے اور گھوم پھر کر دیکھتے کہ کہیں آگ تو نہیں لگی۔

ایک دن ابوالقاسم نے اپنا کیمپ ایک تالاب کے کنارے لگایا۔ یہ تالاب دوسرے تالابوں کی طرح بالکل خشک نہیں ہوا تھا۔ آس پاس کے گھنے درختوں کی وجہ سے اُس میں تھوڑا سا پانی تھا اور اس کے کناروں پر ہاتھی کے پاؤں کے نشانات تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں ہاتھی پانی پینے آتے ہیں۔

کیمپ کے لوگ یہ نشانات دیکھ کر بڑے گھبرائے مگر ابوالقاسم نے انھیں تسلی دی کہ صرف دو تین روز ہی تو یہاں ٹھہرنا ہے، پھر کسی اور جگہ کیمپ لگا لیں گے۔ اس کے دلاسے سے اِن لوگوں کی کچھ ہمت بندھی۔

ابوالقاسم کو معلوم تھا کہ جس جگہ انسان ہوں، وہاں ہاتھی نہیں آیا کرتے۔ وہ تالاب کے کنارے کیمپ لگا دیکھیں گے تو اِدھر کا رخ نہ کریں گے اور کوئی دوسرا تالاب تلاش کریں گے۔

ابوالقاسم کو محکمے کی جانب سے ایک خدمت گار ملا ہوا تھا، جو چپڑاسی کا کام بھی کرتا اور باورچی کا بھی۔ اس کے بیوی بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس کا نام فضل حق تھا۔ سانولے رنگ کا، خوب موٹا تازہ۔ سفید براق وردی پہن کر وہ ابوالقاسم کے دفتر کے باہر مونڈھے پر بیٹھتا تو چھوٹے موٹے لوگ اسے جھک جھک کر سلام کرتے اور اسے چھوٹا صاحب کہا کرتے۔ اسے محکمۂ جنگلات میں نوکری کرتے بیس برس ہو گئے تھے اور ان بیس برسوں میں اس نے پانچ افسروں کی خدمت کی تھی۔ ابوالقاسم چھٹا افسر تھا، جسے اس محکمے میں ملازم ہوئے صرف چھے مہینے ہوئے تھے۔

ابھی انھیں یہاں کیمپ لگائے ایک دن بھی نہ گزرا تھا کہ شام کے وقت ایک چوکیدار بھاگا ہوا آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ ایک میل دور، شمال کی جانب جھاڑیوں میں آگ لگ گئی ہے۔

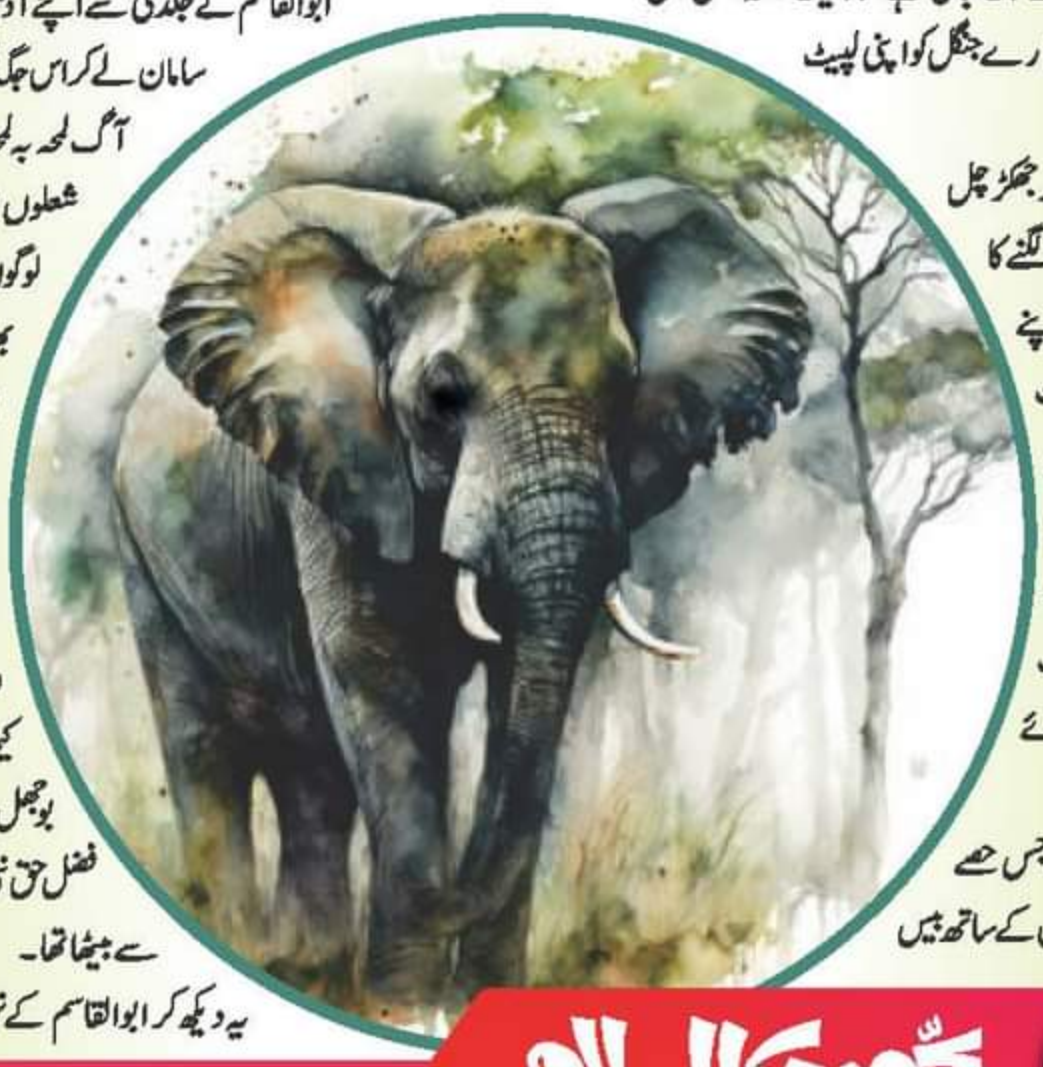

ابوالقاسم نے جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیاری کا حکم دیا اور آگ بجھانے کا سامان لے کر اس جگہ پہنچ گیا۔ بڑے زور کا جھکڑ چل رہا تھا اور آگ لمحہ بہ لمحہ پھیلتی جا رہی تھی۔ یہ دیکھ کر ابوالقاسم شعلوں میں کود پڑا۔ اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی اپنی جان ہتھیلی پر رکھی اور رات بھر کی جدوجہد کے بعد وہ آگ بجھانے میں کام یاب ہو گئے۔

صبح کو ابوالقاسم نے اپنے آدمیوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا فضل حق اُن کے ساتھ نہیں آیا ہے۔

دن چڑھے یہ لوگ گرتے پڑتے واپس کیمپ میں آئے۔ تھکے ہارے، نیند سے بوجھل اور بھوک سے بے تاب کیمپ کے باہر فضل حق نئی دھلی ہوئی سفید براق وردی پہنے ٹھاٹھ سے بیٹھا تھا۔

یہ دیکھ کر ابوالقاسم کے تن بدن میں آگ لگ گئی، وہ گرج کر

بولا: ''میں نے حکم دیا تھا کہ کیمپ کا ہر شخص میرے ساتھ چلے۔ تم نے میرا حکم کیوں نہیں مانا؟''

''آگ بجھانا میرا کام نہیں۔'' فضل حق نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ''میں آپ کا خدمت گزار ہوں۔''

''تمھیں ہر کام کرنا پڑے گا۔'' ابوالقاسم اور زور سے گرجا۔ ''ورنہ کوئی اور ٹھکانا تلاش کرلو۔''

یہ کہہ کر وہ غصے سے پیر پٹختا خیمے میں چلا گیا۔

فضل حق نے اپنی نئی دھلی ہوئی خوب صورت وردی کو دیکھا۔ اب شاید وہ اسے کبھی نہ پہن سکے۔ محکمہ جنگلات میں نوکری کرتے اسے بیس برس ہو گئے تھے اور اب چند سال بعد پنشن ملنے والی تھی مگر اب اس کی پنشن بھی خطرے میں تھی۔ ابوالقاسم کے ذرا سے اشارے پر اسے ملازمت سے جواب مل سکتا تھا، پھر وہ کیا کرے گا؟ بیوی بچوں کو لے کر کہاں جائے گا؟

یہ سوچتے سوچتے اسے ایک بات یاد آئی۔ دو تین مہینے پہلے کی بات، جب وہ ابوالقاسم کے ساتھ مرغابیوں کے شکار پر گیا تھا تو اس نے ابوالقاسم کی بندوق ریتیلی زمین پر رکھ دی تھی۔ اس پر ابوالقاسم بہت خفا ہوا تھا اور اس نے کہا تھا: ''بندوق زمین پر نہیں رکھنی چاہیے۔ اس کی نال میں مٹی بھر گئی تو چلاتے وقت مٹی کی رگڑ سے وہ پھٹ جائے گی اور میرے پرخچے اڑ جائیں گے۔''

یہ بات یاد کر کے فضل حق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اسی دن آدھی رات کو جب سارا کیمپ سویا پڑا تھا، فضل چپکے سے ابوالقاسم کے خیمے میں داخل ہوا۔ ابوالقاسم کے پاس دو بندوقیں اور دو پستول تھے۔ فضل نے ایک ایک کر کے چاروں ہتھیار اٹھائے اور پھر وہیں رکھ کر دبے پاؤں باہر نکل آیا۔

جنگل کے ہاتھیوں نے ایک دن تو صبر کیا اور کیمپ لگا دیکھ کر تالاب کے پاس تک نہ پھٹکے لیکن دوسرے دن جب مارے پیاس کے ان کی انتڑیاں خشک ہونے لگیں تو وہ بے چین ہو گئے۔ ان میں ایک ہاتھی بڑا گرانڈیل، طاقت ور اور خوف ناک تھا۔ دوسرے ہاتھی تو پانی کی تلاش میں میں اِدھر اُدھر نکل گئے لیکن وہ جھومتا جھامتا اسی تالاب کی طرف بڑھا جس کے کنارے ابوالقاسم کا کیمپ لگا تھا۔

صبح کے آٹھ بجے تھے۔ ابوالقاسم خیمے میں بیٹھا ناشتا کر رہا تھا کہ ایک آدمی نے آ کر خبر دی، ایک بڑا ہی خوف ناک ہاتھی تالاب کی طرف آ رہا ہے۔ ابوالقاسم نے جلدی سے بندوق بھری، دس بارہ کارتوس جیب میں ڈالے اور باہر نکل آیا۔

کیمپ میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ مرد درختوں پر چڑھ گئے تھے اور عورتیں بچوں کو لے کر جھاڑیوں میں چھپ گئی تھیں۔

ابوالقاسم ایک درخت کی آڑ لے کر کھڑا ہو گیا۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہل رہی ہے۔ جیسے بھونچال آ رہا ہے۔ اس نے درخت کی آڑ سے جھانک کر دیکھا۔ ایک پہاڑ سا ہاتھی چنگھاڑتا ہوا تالاب کی طرف آ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کئی دن کا پیاسا ہے۔ اُس نے دائیں دیکھا نہ بائیں، سیدھا تالاب میں گھس گیا اور سونڈ بھر بھر کر پانی پینے لگا۔

''مارو صاحب مارو۔'' درخت کے اوپر سے کسی نے کہا۔

ابوالقاسم نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ فضل حق ایک شاخ پر سہما بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

''مارو صاحب! مارو جلدی کرو۔'' فضل نے دوبارہ کہا۔

لیکن ابوالقاسم قدرت کے اتنے بڑے عجوبے کو خواہ مخواہ مارنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چپ چاپ بت بنا کھڑا رہا مگر اس کی انگلی بندوق کی لبلبی پر تھی اور اس کی ہلکی سی جنبش اس دیو جیسے ہاتھی کو خاک و خون میں لٹا سکتی تھی۔

ہاتھی نے پہلے خوب پیٹ بھر کے پانی پیا، پھر سونڈ میں پانی بھر بھر کے نہانے لگا۔ جب اس کا سارا جسم تر بتر ہو گیا تو وہ خوشی سے چنگھاڑا اور جنگل کی طرف جانے کے لیے مڑا۔

''کیا کرتے ہو صاحب؟'' فضل نے چیخ کر کہا۔ ''گولی کیوں نہیں چلاتے؟''

اور تبھی ایک ننھا سا بچہ، ایکا ایکی پاس کی جھاڑی سے نکلا اور ''ہاتھی آیا، ہاتھی آیا!'' کہتا ہوا اس خوف ناک ہاتھی کی طرف دوڑنے لگا۔

بچے کو دیکھ کر ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھائی اور آگے پیچھے اِس طرح جھولا جیسے بس حملہ کرنے ہی والا ہے۔

یہ بڑا نازک وقت تھا۔ ابوالقاسم کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟ اگر گولی چلاتا ہے تو ہاتھی زخمی ہو کر غضب ناک ہو جائے گا۔ وہ سمجھے گا کہ اس کی تکلیف کی وجہ یہی بچہ ہے۔ وہ اسے پیروں تلے کچل دے گا۔ ویسے بھی اتنے بڑے ہاتھی کو مارنے کے لیے کم از کم پانچ چھ گولیاں چاہییں اور جب تک وہ دوبارہ بندوق بھرے گا، ہاتھی بچے کی ہڈیوں کا سرمہ بنا چکا ہوگا۔

بچہ اب ہاتھی سے پچاس ساٹھ قدم دور رہ گیا تھا۔ ابوالقاسم نے بندوق پھینک دی اور پوری رفتار سے بچے کی طرف دوڑا۔ اس نے پھرتی سے بچے کو گود میں اٹھایا اور بجلی کی سی تیزی سے درخت کے پاس واپس آ گیا۔

وہ سنتا ہے سب کی!

یہ غالباً دو سال قبل کا واقعہ ہے۔ ہمارے ماموں جان جو کہ حضرت والا پیر مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بیعت ہیں، رمضان کا آخری عشرہ مزید قیمتی بنانے کی غرض سے کربوغہ شریف تشریف لے گئے۔

واپسی پر ہمیں واقعہ سنایا کہ ایک دن علاقے کا موسم ابر آلود ہو گیا، چونکہ رمضان میں مہمانوں کی کثیر تعداد موجود ہوتی ہے، ان کے لیے انتظامات تا حد نگاہ تک وسیع ہوتے ہیں سو پریشانی ہوئی کہ اگر بارش ہو جائے تو افطار کا انتظام آسمان تلے کیسے کیا جائے گا۔

حضرت والا مدظلہ العالیہ نے سنت کی اتباع میں فوراً نماز کی طرف رجوع فرمایا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو فوراً نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

اِدھر حضرت بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دعائیں فرما رہے ہیں، اُدھر ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والی مہربان ذات کی رحمت جوش میں آئی۔ کیا دیکھتے ہیں! بارش تو ہوتی ہے لیکن جس جگہ پر افطار کا انتظام کیا گیا، اس جگہ پر نہیں ہوتی جبکہ آس پاس تمام علاقے میں بارش ہو رہی ہے۔ سب نے یہ کرامت دیکھی، اللہ اکبر!

☆☆☆

لائبہ شیما۔ کراچی

ہاتھی ہکا بکا کھڑا یہ تماشا دیکھتا رہا، پھر اس نے ایک ہول ناک چیخ ماری اور گھنے جنگل میں غائب ہوگیا۔

تمام لوگ درختوں سے کود پڑے۔ مائیں بچوں کو لے کر جھاڑیوں میں سے نکل آئیں۔

ابوالقاسم نے ماتھے سے پسینا پونچھا اور بچے کو زمین پر کھڑا کر کے بولا:

"یہ کس کا بچہ ہے؟"

"میرا جناب۔" پیچھے سے آواز آئی۔

ابوالقاسم نے مڑ کر دیکھا۔ یہ فضل حق تھا۔ اس کا خدمت گار۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا، آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے اور چہرے کی جھریاں لرز رہی تھیں۔

"اکیلا کیوں چھوڑ دیا تھا اسے؟" ابوالقاسم نے اسے ڈانٹا۔

"چھوٹا بچہ رو رہا تھا۔" فضل کی بیوی نے کہا۔ "میں اسے خاموش کرانے لگی تو یہ موقع پا کر بھاگ نکلا۔"

"صاحب!" فضل کپکپاتی آواز میں بولا:

"میں بہت شرمندہ ہوں۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دیجیے۔"

ابوالقاسم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا:

"قصور تمھارا نہیں، تمھاری بیوی کا ہے۔"

"میں اس بات کی معافی نہیں مانگ رہا حضور!" فضل نے آہستہ سے کہا۔ "یہ دیکھیے....."

اس نے ابوالقاسم کی بندوق اٹھائی اور اس کی نال نیچے کی تو اس میں سے مٹھی بھر مٹی نکل کر زمین پر گر پڑی۔

"اف! میرے اللہ!" ابوالقاسم نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم..... تم..... مجھے مارنا چاہتے تھے؟"

"جی ہاں....." فضل سر جھکا کر بولا: "آپ نے مجھے نوکری سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ اس لیے میں آپ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے فائر نہیں کیا۔"

یہ کہہ کر وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور ابوالقاسم کا ہاتھ تھام کر بولا:

"کہہ دیجیے کہ میں نے تجھے معاف کیا۔ میں گناہ گار ہوں، میں قصوروار ہوں۔"

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی جھڑی لگی کہ ابوالقاسم کا ہاتھ تر بتر ہوگیا۔

اس نے فضل کا کاندھا تھپتھپایا اور بڑی نرمی سے بولا:

"اٹھو فضل اٹھو! میں نے تمھیں معاف کیا۔ خدا بھی تمھیں معاف کرے۔"

اچانک ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ مشرق کی طرف سے گھنگھور گھٹا جھوم کر اٹھی۔ کیمپ والوں کے دل مسرت سے کھل اٹھے اور وہ امید بھری نظروں سے امڈتے ان کالے سیاہ بادلوں کو دیکھنے لگے۔

"یہ گھٹا ضرور برسے گی۔"

اُن کے دل کہہ رہے تھے۔

☆☆☆

آثارِ نبوی ﷺ کے تعاقب میں ماضی کے اوراق پلٹتے مسافر کی ایمان افروز رودادِ سفر

15

اُن کے کوچے میں

محمد فضیل فاروق

ابھی مشکل سے دو سے تین منٹ گزرے ہوں گے کہ اچانک سامنے کھڑے شرطے نے حرکت کی اور اگلے ہی لمحے مسجد نبوی کا گیٹ نمبر دو باب ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھلتا چلا گیا۔

مجھے اپنی قسمت پر بالکل بھی یقین نہیں آ رہا تھا، ابھی ابھی تو میں ٹہلتا ہوا چلا آ رہا تھا، اگر رستے میں کہیں بھی صرف دو منٹ کی دیر ہوتی تو سارا کھیل بگڑ چکا ہوتا۔

مسجدِ نبوی کے تمام دروازوں کے اوپر لکھا ہوا ہے:

ادخلوھا بسلام آمنین۔ (سلامتی و امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔)

یہ تو جنتیوں کو جنت میں داخل کرتے وقت بولا جائے گا، لیکن واقعی مسجدِ نبوی دنیا والوں کے لیے جنت سے کم نہیں اور ابھی مسجد کے جس حصے کی طرف میں دروازہ کھلتے ہی بڑھ رہا تھا، اس کے بارے میں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

"ما بين بيتي و منبري روضة من رياض الجنة."

"میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔"

میں سیدھا جا کر اسطوانہ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا بیٹھا۔

مسجد کے اندر آٹھ خاص ستون ہیں جن میں سے ایک اسطوانہ ابی لبابہ ہے۔ اسے ستون توبہ بھی کہتے ہیں۔ اسطوانہ ابی لبابہ پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آ کر غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر خود کو باندھ لیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریں گے یہیں بندھا رہوں گا، نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔

آن کی آن میں پورا ریاض الجنہ اور اس کا اردگرد کی ساری جگہ جو پرانی عمارت میں شمار ہوتی ہے پر ہو چکی تھی۔ یہ جگہ بھرتے ہی وہ دروازہ جو کھولا گیا تھا پھر سے بند کر دیا گیا۔ اب مجھے سمجھ میں آیا کہ پچھلی بار تو میں پورے ڈیڑھ گھنٹے تاخیر سے آیا تھا، کیسے مل سکتی تھی جگہ!؟

یہ اندرونی حصہ تقریباً اتنا ہے جتنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں توسیع کے بعد ہوا تھا۔ اب میں الحمدللہ زمین کے اس حصے میں تھا جس کا تعلق آسمان سے ہے۔ لوگ یہاں دو رکعت پڑھنے کے لیے گھنٹوں گھنٹوں کی سعی و کوشش کرتے ہیں، اور مجھے یہاں صبح عید نماز کے بعد تک آرام سے بیٹھے رہنے کا موقع مل گیا تھا۔

اس طرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا وہ حصہ ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد تشریف لایا کرتے تھے۔ ابھی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے دونوں رفقاء کے سر مبارک ہماری طرف تھے۔ ہمارے پاس وہاں خوب خوب درود و سلام پڑھنے کا موقع تھا۔ نوافل پڑھ پڑھ کر سب کچھ مانگ لینے کا موقع تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور بقدر استعداد جتنا ہو سکا کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمالے تو اس کا احسان۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے

تھے کہ مدینہ منورہ میں آؤ تو تصور کی آنکھ سے چودہ سو سال پہلے کا مدینہ دیکھو۔ مدینہ منورہ کا تقریباً پورا شہر ہی مسجد نبوی کی چار دیواری کے اندر اندر ہے۔ یعنی یہ سارا صحن جو ہے اس میں صحابہ کرام کے گھر ہوں گے۔ یہاں گلیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلا پھرا کرتے ہوں گے، انہی گلیوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے اندھیرے میں لوگوں کے احوال پتا کرنے کے لیے چلا کرتے ہوں گے۔

اس مسجد میں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں نمازیں ادا کرتے ہوں گے، اف کیا منظر ہوگا۔

مسجد نبوی! یہ تو بتا کچھ
سماں وہ کیسا پیارا ہوگا
صحن میں آقا بیٹھے ہوں گے
گرد صحابہ کا حلقہ ہوگا

صحابہ کی ایک جماعت علم حاصل کرنے کی غرض سے ہر وقت صفہ کے مدرسے میں قیام پذیر رہتے ہوگی۔ کتنے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ ان میں تھے۔ حضرت ابو ہریرہ، بلال بن رباح، سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے فقیہ الامت صحابی یہاں حدیث و قرآن کریم کا علم حاصل کرتے ہوں گے۔

یہ انصار و مہاجرین میں سے غریب صحابہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس چادر ہو۔ فقط تہہ بند ہوتا یا رات کو اوڑھنے کا کپڑا جنھیں یہ لوگ اپنی گردنوں سے باندھ لیتے۔ یہ کپڑے کسی کے آدھی پنڈلی تک آتے اور کسی کے ٹخنوں تک۔ یہ حضرات ان کپڑوں کو اس خیال سے کہ کہیں شرمگاہ نہ کھل جائے اپنے ہاتھوں سے سمیٹتے رہتے تھے۔“

فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تو کچھ لوگ بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو کر گر پڑتے۔ یہ اصحاب صفہ تھے۔ (انھیں دیکھ کر) بدو لوگ کہنے لگے کہ یہ لوگ پاگل معلوم ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ان کے پاس آئے اور فرمایا:

”اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں تمھارا کیا اجر ہے تو تم خواہش کرنے لگ جاؤ کہ تم اور زیادہ حاجت مند اور فاقہ کش ہو جاؤ۔“

سبحان اللہ!

اللہ تعالیٰ نے پھر ان قربانیوں کے عوض انھیں کیسا نوازا، یہاں تک کہ وہ جگہ جہاں یہ حضرات بیٹھا کرتے تھے اسے اتنا قیمتی بنا دیا کہ سلاطینِ عالم وہاں بیٹھنے کو اپنے لیے باعث برکت سمجھتے ہیں۔

ایک بار میں نے یہاں کے امام شیخ قاسم کی ایک آڈیو کلپ سنی، وہ سیرتِ نبوی کا درس دے رہے تھے۔ عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کا منظر تھا، عبارت کے دوران انھوں نے بتانا چاہا کہ صحابہ کی اس وقت کیا حالت تھی، انھوں نے یہ جملہ رندھی آواز میں ادا کیا:

”فأخذ عمر يد أبي بكر...!“

”تو عمر نے ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا ہاتھ تھاما.....!“

مگر پھر ان کی آواز حلق میں ہی کہیں رہ گئی اور وہ آگے بول نہ سکے، یہاں تک انھیں نے ’نعم‘ کہہ کر طالب علم کو دوبارہ کتاب میں سے عبارت شروع کرنے کا اشارہ دیا۔

یہی منظر ایک بار ہم نے اپنے استادِ محترم کے ساتھ دیکھا جب وہ سیرت کی کتاب میں واقعہ طائف پڑھا رہے تھے۔

ہمیں سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ خصوصاً اگر ہم میں سے کسی کو حرمین کی حاضری نصیب ہو رہی ہو تو وہ ضرور سیرت کا مطالعہ کر کے یہاں آئے، پھر اس کی ایمانی کیفیت یقیناً کچھ اور ہی ہوگی۔ وہ صرف یہاں آج کا مدینہ نہیں دیکھ رہا ہوگا بلکہ اس کی چشم تصور ساڑھے چودہ سو برس قبل کے مدینہ منورہ کا بھی نظارہ کرتی ہوگی کہ مسجد نبوی کی ایک ایک چیز سے سیرت کا کوئی نہ کوئی باب جڑا ہے۔

(جاری ہے)

بچوں کا اسلام اور میں

عمار افضل۔ لاہور

میری آنکھوں کے سامنے سے ایک خوب صورت تصویر گزری جس میں دو پیاری پیاری چڑیا بنی تھی۔ یہ چڑیاں بچوں کا اسلام کے پہلے صفحے پر بنی تھیں۔ وہ پہلا بچوں کا اسلام تھا جو میں نے پڑھا۔ اس سے پہلے امی کے بار بار کہنے کے باوجود میں نے کبھی یہ رسالہ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ وہ پہلی کہانی تھی جو میں نے پڑھی اس کہانی کا نام تھا: وادیٔ طائرستان!

یہ کہانی مجھے انتہائی دلچسپ لگی، مگر مجھے شدید حیرت ہوئی جب اس کہانی کے ختم ہوئے بغیر اس کے آخر میں (جاری ہے) لکھا ہوا نظر آیا۔ خیر امی نے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ ”جاری ہے“ کیا ہوتا ہے۔

اس کے بعد ۲۰۲۰ء کی سردیوں کی چھٹیوں میں میرا تایا زاد بھائی اشتیاق احمد کے پانچ چھے جاسوسی ناول لایا۔ میں نے وہ پڑھے تو مجھے بہت پسند آئے اور میں نے مزید منگوانے کا فیصلہ کیا مگر ناول کی قیمت سن کر سر چکرا گیا۔

امی سے حل پوچھا تو جواب ملا کہ بچوں کا اسلام پڑھو تب پہلی بار پورا بچوں کا اسلام پڑھا۔ اس کے بعد سے ہر ہفتے بچوں کا اسلام پڑھنے لگا اور مزید کچھ ناول اور خرید کر پڑھے۔ بچوں کا اسلام میں شائع ہونے والی قسط وار کہانیاں جیسے محمد بن قاسم، سلطان محمود غزنوی، دھوبن چڑیا، تقدیر قید، میر حجاز، آبشار کا راز، خزانے کی تلاش بے حد پسند آئیں۔ اگر کوئی قسط وار کہانی پسند نہیں آئی تو وہ تھی ’سرمد‘ کیونکہ ہر قسط میں وہ کم از کم پانچ مرتبہ چائے پیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاوش صدیقی صاحب کو چائے کچھ زیادہ ہی پسند ہے۔ خیر مگر پھر بھی سرمد کے اگلے تین حصے منگوا کر پڑھے اور وہ بھی بالکل پسند نہیں آئے کیونکہ ان میں بھی ہر دو صفحے بعد چائے پیتے رہتے تھے!

اور پھر شمارہ ۹۸۱ میں میرا پہلا خط شائع ہوا، پھر ایک اور خط شائع ہوا، پھر مسکراہٹ کے پھول شائع ہوئے اور پھر دوبارہ ابھی ابھی شمارہ ۱۰۸۵ میں خط دیکھ کر لکھنے بیٹھ گیا۔ اب میں خواتین کا اسلام بھی پورا پڑھتا ہوں اور ڈاکٹر سارہ الیاس میری پسندیدہ لکھاری ہیں۔

☆☆☆

چیلوں کی شاہانہ اڑان

عنایت الرحمٰن۔ کمیٹی چوک راولپنڈی

خواتین کا اسلام شمارہ ۱۰۵۹ میں مدیر بھائی محمد فیصل شہزاد کا ایک شاندار ادبی شہ پارہ بعنوان ''رات، آسمان اور گاؤں'' پڑھا، جس میں انھوں نے اپنے مخصوص دلکش انداز میں رات، آسمان، ستاروں اور گاؤں کا نہایت حسین نقشہ کھینچا ہوا تھا، لیکن ضمنی طور چیل کی اڑان کا ذکر بھی آ گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ چیل دوسرے پرندوں کی بنسبت ہمیں اچھی نہیں لگتی، اسے قریب سے دیکھ کر ایک کراہت سی محسوس ہوتی ہے، آسمان پر بنا پر پھڑ پھڑائے بہت اوپر بے حد سبک پرواز کرتے ہوئے مگر اس سے زیادہ کوئی پرندہ اچھا بھی نہیں لگتا۔

اوپر بہت اوپر، آسمان کی وسعتوں میں پر پھیلائے ہوئے ایک درویش کی طرح پرسکون محوِ پرواز۔

سہ پہر کی روشنی (جو نہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں چندھیا جائیں اور نہ مغرب سے ہم آغوش ہوتے وقت کی بہت کمزور) میں بے حد نیلا آسمان، چڑیوں کی چہچہاہٹ، اور دور آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرتی بیسیوں چیلیں، پھر انھیں اوپر، مزید اوپر نکتہ در نکتہ کھوجتے ہوئے ہم یکلخت خود کو انہی کے پاس پاتے ہیں۔ انہی کی طرح پر پھیلائے، بہت آہستہ مگر سبک پرواز کرتے، اور اس لمحے رگ و پے میں ایسا سکون اترتا ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

یہ خوبصورت پیرا پڑھ کر مجھے واقعی حیرت ہوئی کہ کبھی اس بابت کیوں نہیں سوچا کہ آخر چیل اتنی زیادہ اونچائی پر بغیر پر پھڑ پھڑائے اتنی دیر تک کیسے گلائیڈ کر لیتی ہے؟

میں نے یہ سوال اپنے سائنس کے گروپ میں ڈھونڈا تو وہاں سرقدیر قریشی صاحب نے حسب معمول اس سوال کا بھی بہترین جواب دیا ہوا تھا، جو بچوں کا اسلام کے قارئین کی نذر ہے۔

پاکستان اور بھارت میں پائی جانے والی چیل (black kite) ایک ایسا پرندہ ہے جس کے اڑنے کا انداز شاہانہ ہے، وہ بنا پر پھڑ پھڑائے بہت دیر تک زمین سے اٹھتی گرم ہوا پر ''تیرتی'' رہتی ہیں۔ اب ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہ بنا پر پھڑ پھڑائے بہت دیر تک بس ایسے ہی ہوا میں کیسے اڑتی رہتی ہیں اور نیچے نہیں گرتیں؟

اس کی وجہ انکے پروں کا پھیلاؤ ہے۔ ان کے سائز کے مقابلے میں ان کے پر بڑے ہوتے ہیں۔ ان کی ہڈیاں ہلکی ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے جسم کے وزن کے مقابلے میں اُن کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ کم توانائی میں دور دور تک سفر کرنے کے لیے ایسے زیادہ بڑے پروں والے پرندے ایک تکنیک کا استعمال کرتے ہیں اور وہ ہے زمین پر موجود گرم ہوائی لہروں کا استعمال کرنا۔ ان پروں کا پھیلاؤ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ زمین سے اٹھنے والی گرم ہوا (یعنی تھرملز جو سورج کی تمازت سے زمین کی سطح کے درجہ حرارت کے بڑھنے کی وجہ سے اوپر اٹھنے لگتے ہیں) انھیں اس قدر لفٹ پیدا کرتی ہے کہ انھیں بعض اوقات کئی کئی منٹ تک اپنے پر نہیں پھڑ پھڑانے پڑتے۔

زمین کی سطح کے قریب ہوا گرم ہوتی ہے، اس لیے اوپر کی طرف اٹھتی ہے۔ اوپر اٹھتی ہوا کو تھرمل کہا جاتا ہے۔ چیلیں اِن تھرملز کے ساتھ اوپر کی طرف جاتی ہیں۔ وہ اس قسم کی ہوا کو پہچان کے اس اوپر اٹھتی ہوا میں داخل ہو جاتی ہے اور بہت کم توانائی کے ذریعے بہت اوپر تک چلی جاتی ہے۔ پھر اپنے پروں کو پھیلا کر گلائڈنگ کر کے بہت دور تک کا سفر بہت کم توانائی میں کر سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ گرم ہوا اوپر کیوں اٹھتی ہے.....؟

تو یہ اس لیے کہ گرم ہوا کی کثافت کم ہوتی ہے اور سرد ہوا کی زیادہ۔ اس لیے گرم ہوا کو سائیڈ میں دھکیل کر سرد ہوا نیچے کی طرف جاتی ہے، جس کے نتیجے میں گرم ہوا اوپر کی طرف اٹھنے لگتی ہے۔ ٹھنڈی ہوا اپنی کثافت کی وجہ سے زمین کی سطح کے قریب ترین رہتی ہے۔ اگر آپ کئی منزلہ عمارت میں ہوں تو آپ دیکھیں گے کہ سردیوں میں پہلی منزل پر سردی زیادہ لگتی ہے کیونکہ ٹھنڈی ہوا زمین کی سطح کے قریب ترین ہوتی ہے۔

اسے اس طرح سے سوچیے کہ دوسری منزل سے لکڑی کی کوئی چیز گرے تو وہ نیچے کی طرف جاتی ہے لیکن اسی چیز کو پانی سے بھرے تالاب کی تہ میں رکھیں تو لکڑی اوپر کی طرف جاتی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟

اُس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کی کثافت لکڑی سے زیادہ ہے، اس لیے پانی پر کششِ ثقل کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور وہ لکڑی کو اپنے راستے سے ہٹا کر زمین کے مرکز کی طرف جاتا ہے۔

اِس عمل میں لکڑی پانی میں اوپر کی طرف جانے لگتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بھیڑ میں طاقتور افراد کمزور افراد کو اپنے راستے سے ہٹا کر آگے چلے جاتے ہیں اور کمزور افراد پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اب چونکہ لکڑی کی کثافت ہوا سے زیادہ ہے اِس لیے ہوا میں لکڑی نیچے کی طرف جاتی ہے، کیونکہ لکڑی اپنے راستے سے ہوا کو ہٹا دیتی ہے۔

چیلوں کی نظر بھی انتہائی تیز ہوتی ہے اور سونگھنے کی حس بھی۔ چنانچہ چیلیں زمین کی سطح سے بہت بلندی پر اِدھر اُدھر منڈلاتی رہتی ہیں اور کسی مردہ جانور کی لاش کو تلاش کرتی ہیں، جہاں کہیں انھیں مردہ جانور یا گوشت نظر آئے یا گوشت کی بو آئے تو ایک لمبی ڈائیو سے یہ اُس کی طرف لپکتی ہیں اور عموماً اڑتے اڑتے ہی گوشت کا ایک ٹکڑا اچک لیتی ہیں۔

یہ اس ماس کو یا تو اڑتے اڑتے ہی کھاتی ہیں یا پھر اپنے پنجوں میں پکڑ کر اپنے گھونسلے میں لے جاتی ہیں۔

فاطمہ نور صدیقی

رٹا نہ لگائیں!

"برسوں پہلے ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ہوا کرتی تھی لیکن جنگِ آزادی کے بعد انگریزوں نے اپنی مکارانہ سازشوں اور سماجی ہتھکنڈوں کے ذریعے مسلمانوں سے...... مسلمانوں سے...... مسلمانوں...... مسلمانوں......"

رابعہ اپنی آپی کو تیزی سے جواب سناتے سناتے سناتے اٹک گئی۔

"آگے کیا تھا؟ انگریزوں نے کیا کیا تھا؟ آپی بس آگے کا ایک لفظ بتا دیں پلیز پھر مجھے باقی یاد آجائے گا۔"

آپی نے حیرت سے اسے دیکھا:

"رابعہ! یاد نہیں آرہا تو خود اپنے الفاظ میں جواب سنا دو۔"

"پتا نہیں، مجھے نہیں آرہا۔" رابعہ روہانسی ہوگئی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے اتنی اچھی طرح اردو کے سوال یاد کیے تھے، لیکن سناتے سناتے دماغ سے سب نکل گیا۔ اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا تھا۔ عین ٹیسٹ کے درمیان وہ جواب بھول جاتی جسے اس نے کافی محنت سے رٹا تھا۔ سائنس کے اصول اسے آدھے یاد رہتے، آدھے گڈمڈ ہوجاتے۔ اگر یاد کیا گیا سبق ٹیسٹ تک اس کے ذہن میں رہتا بھی تو سالانہ امتحانات تک وہ سب کچھ بھول چکی ہوتی اور نئے سرے سے یاد کرنا پڑتا۔ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ مسئلہ کیا ہے؟ اتنی محنت اتنی کوشش کے باوجود نتائج میں کوئی بہتری نہیں آرہی تھی......!

صرف رابعہ ہی نہیں، ہم میں سے بہت سے لوگوں کو کبھی نہ کبھی اس صورتحال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

یوں تو رٹا مارنے کی اصطلاح طلبہ کے لیے نئی نہیں ہے، بلکہ ہمارے ہاں اس کو ایک طالب علم کی اضافی خوبی سمجھا جاتا ہے لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ رٹا لگانے سے مراد کسی بھی چیز کو بغیر سمجھے مسلسل دوہرا دوہرا کر لفظ بہ لفظ پکا یاد کرلینا ہے۔ عموماً طلبہ کو جہاں کسی مشکل چیز سے واسطہ پڑتا ہے۔ جسے سمجھنے کے لیے وقت اور دماغ درکار ہو۔ وہاں وہ رٹا لگانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ رٹا آپ کی دماغی صلاحیت کو ختم کر کے صرف ایک ہی رخ سے سوچنے پر مجبور کردیتا ہے۔ اگر اس کی عادت پختہ ہوجائے تو پھر ہم اپنی تخلیقی صلاحیت کو استعمال کرنا بند کردیتے ہیں۔ رٹا لگانے کی حقیقت جاننے کے لیے آپ ایک چھوٹا سا عملی تجربہ کرسکتی ہیں۔

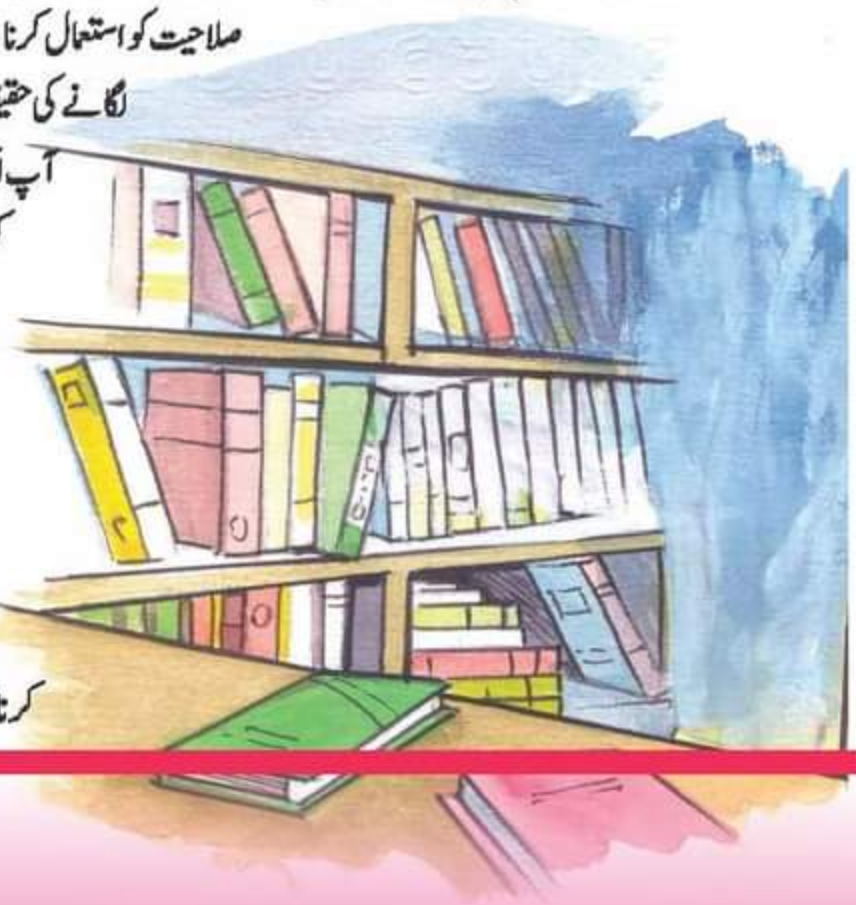

اس کام کے لیے آپ کو دو سادے سفید کاغذ۔ ایک کالا قلم اور ایک سہیلی یا بہن چاہیے ہوگی۔ کرنا آپ کو یہ ہے کہ مندرجہ ذیل دی گئی دونوں فہرستوں کو الگ الگ کاغذ پر اتار لیجیے۔

فہرست الف:

۱) اساتذہ۔ ۲) چادر۔ ۳) پیدائش۔ ۴) آنکھیں۔ ۵) ناشتہ۔ ۶) زبردست۔ ۷) صلاحیت۔ ۸) آمیزہ۔ ۹) طریقہ۔ ۱۰) غریب۔

فہرست ب:

۱) ہاذستا۔ ۲) دارچ۔ ۳) یشدئیا۔ ۴) ںھآ کن۔ ۵) اشتنہ۔ ۶) رسدتزب۔ ۷) تصیحلا۔ ۸) آزیمہ۔ ۹) قیرطہ۔ ۱۰) یرلغ۔

طریقہ:

۱) سب سے پہلے اپنی دوست کو فہرست الف والا صفحہ دیجیے۔

۲) زیادہ سے زیادہ چار منٹ وقت مقرر کردیں۔

۳) اپنی دوست کو یہ دس الفاظ ان چار منٹ میں یاد کرنے کو کہیں۔

۴) چار منٹ بعد فہرست الف واپس لے لیجیے۔ (اگر آپ کی دوست چار منٹ سے پہلے یاد کرلے تو ٹائم اپنے پاس لکھ کر صفحہ واپس لے لیں)

۵) اب اپنی دوست سے کہیے کہ وہ آپ کو دس الفاظ سنائے جو یاد کیے ہیں۔ کاغذ پر صحیح الفاظ کے سامنے ٹک لگاتی جائیں۔

۶) اب اپنی دوست کو فہرست ب دیں اور یہی سارا عمل دوہرائیں۔

فہرست الف اردو کے دس آسان الفاظ ہیں جنہیں ہم روزمرہ بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ ان الفاظ کے مطلب ہم جانتے ہیں اور یہ ہمارے لیے بامقصد ہیں۔ جب کہ فہرست ب کچھ عجیب وغریب الفاظ پر مشتمل ہے، جنہیں آپ نے نہ کبھی دیکھا نہ سنا اور نہ ہی ان کے کوئی معنی ہیں اور یہ عام حالات میں بات چیت کے دوران آپ کے کام بھی نہیں آتے یعنی یہ بے مقصد الفاظ ہیں۔ ذرا غور کریں فہرست ب کے دس الفاظ فہرست الف کے ہی لفظ ہیں، بس ان کے حرف تہجی کی ترتیب آگے پیچھے ہے۔

نتائج آپ کے سامنے واضح طور پر موجود ہیں۔ آپ کی دوست نے فہرست الف چار منٹ یا اس سے بھی کم وقت میں آسانی سے یاد کرلی ہوگی۔ اس کے بعد آپ کے سامنے دس کے دس الفاظ فرفر سنا دیے ہوں گے لیکن فہرست ب میں اسے تھوڑا مسئلہ ہوا۔ اس نے یہ دس الفاظ فہرست الف کے مقابلے میں دیر سے یاد کیے اور پھر جب سنانے لگی تو ایک دو بھول بھی گئی یا مشکل سے یاد آئے۔

اب اگر آپ ایک دن بعد بھی اپنی دوست سے فہرست الف کے الفاظ سنانے کو کہیں گی تو اسے زیادہ تر الفاظ یاد ہوں گے لیکن اگر آپ نے فہرست ب سننے کی فرمائش کردی تو اس کے ذہن میں ایک یا دو سے زیادہ الفاظ نہیں آئیں گے۔

بالکل اسی طرح جب ہم چیزوں کو سمجھ کر یاد کرتے ہیں تو وہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتی ہیں اور عرصے تک ہماری یادداشت میں محفوظ رہتی ہیں۔ جب ہم ایسے اسباق کو جو ہمیں سمجھ میں نہیں آرہے ہوں بلا سوچے سمجھے رٹنے کی کوشش کریں تو ہمارے یاد کرنے کی رفتار بھی کم ہوگی ساتھ ساتھ ہمیں یاد کرنے میں مشکل پیش آئے گی۔ کچھ ہی عرصے بعد ہم اسے بھول چکے ہوں گے۔ اسی طرح پڑھائی صرف ایک بوجھ بن کر رہ جائے گی اور ہمارے علم محدود ہو کر رہ جائے گا۔ کامیاب لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی صلاحیتوں سے مستقل بنیادوں پر کام لینے پر قادر ہوتے ہیں۔

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

دستک میں حافظ عبدالرزاق صاحب سے ملاقات اور ان کا بیان سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ پروگرام کے اختتام پر جو آپ کو جھٹکا لگا، وہ ہمیں بھی لگا۔ پڑھتے ہی ہماری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے اور ہم بے ساختہ باپ بیٹے کے لیے ایصالِ ثواب کرنے لگے۔ 'میر حجاز' میں حضرت ابوبکر صدیق کا واقعہ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مکہ کے لوگ مکانوں کی چھتوں، دیواروں، گلیوں میں آکر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے۔ 'ان کے کوچے میں' بہت اچھا سفرنامہ ہے۔ ایسے موڑ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ محمد فضیل فاروق کو ہمارا اسلام، آمنے سامنے میں پانچ بہن بھائیوں کے خطوط شامل تھے۔

(حاجی جاوید ساقی۔ چک احمد آباد، اٹھارہ ہزاری)

ج: ان کی طرف سے ہماری طرف سے وعلیکم السلام۔ ویسے ہمیں تو پتا نہیں چلتا کہ کون کون بہن بھائی ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۹۵ قرآن وحدیث کے بعد آپ کی دستک میں آم کے ساتھ نمکین ٹھنڈی لسی کا پڑھ کر ہمارے دل پر بھی ٹھنڈ پڑ گئی۔ اگلے اتوار کو آپ ہمارے شہر جھنگ کے مہمان ہوں گے۔ 'ان کے کوچے میں' سفرنامہ بہت دلچسپ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم بھی چاچو حاجی کے ساتھ ساتھ ہیں۔ آمنے سامنے میں اپنا خط نہ پا کر پریشان ہوگئی۔ ابو جی سے کہنے لگی کہ آج کے بعد بچوں کا اسلام نہیں خریدیں گے یہ سن کر میرے ابو جی کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمانے لگے مجھے تو بچوں کا اسلام کی برکتوں نے مالا مال کر دیا ہے، میں تو جب تک زندگی باقی ہے ان رسالوں سے فیض یاب ہوتا رہوں گا، چاہے حاجی مدیر ہمارے خطوط شائع نہ کریں۔ (منیبہ جاوید۔ چک احمد آباد، اٹھارہ ہزاری، جھنگ)

ج: ایک تو ہم حاجی نہیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ آپ دونوں باپ بیٹی کے خطوط تو جہاں تک ہمیں یاد ہے، مستقل چھپتے رہتے ہیں۔ بہرحال خوش رہیں۔

☆ قرآن وحدیث صبر جمیل کا درس دے رہی تھے۔ 'مختصر پر اثر' میں ادب، تعمیل حکم اور عجیب علاج حیران کر گئے۔ دستک میں آپ نے نہایت احسن طریقے سے کتاب 'رحمت کی بارش' سے متعارف کروایا۔ 'پتھروں والی حویلی' بہترین تحریر رہی۔ 'میر حجاز' میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب کی تعبیر پڑھ کر ان کی خوش قسمتی پر رشک آیا۔ 'گھڑی اور ہم' آپ بیتی شاندار رہی۔ 'نیوز چینل' پڑھ کر مزہ آیا۔ بلاشبہ شاہد صاحب کا اندازِ تنقید قابل تحسین ہے۔ (حافظ محمد عمر صدیقی۔ کراچی)

ج: لیکن وہ تنقید کرتے ہی کب ہیں؟ وہ تو ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۹۰ میں دستک 'بچوں کا اسلام اور آل پاکستان ٹور' دستک شاندار ہے۔ ہمیں تصوراتی کام بہت پسند ہے، تبھی ہم نے بھی ایک تحریر 'تصوراتی محفل' کے عنوان سے بھیجی تھی، مگر ہمارے خیال کے مطابق وہ سیلکٹ ہونے کے بجائے ریجیکٹ ہوگئی۔ اس پر بھی اللہ کا شکر ہے کہ بے کار تحریر سے ہمارا رسالہ محفوظ رہا۔ 'ایک لکیر، ایک سبق' نے اہم ترین سبق سے آگاہ کیا۔ واقعی! ہم دوسروں کو نیچا دکھائے بغیر بھی بلندی تک پہنچ سکتے ہیں۔ 'مزے دار سیر' میں مزے کے ساتھ ساتھ مسفرہ کی ڈائری لکھنے کا انداز بہت بھایا۔ 'آیئے دین سیکھیے' کے سوالات فائدہ مند ثابت ہو رہے ہیں۔ 'میر حجاز' کے تو کیا ہی کہنے! جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ 'ان کے کوچے میں' کا طرزِ تحریر منفرد ہے۔ محمد فضیل فاروق کے قلم میں اللہ پاک برکت عطا فرمائیں۔ (بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: آمین ثم آمین۔

☆ شمارہ ۱۰۹۰ کی 'دستک' میں مدیر بھائی قارئین کے ساتھ پاکستان کا ٹور کرواتے نظر آئے۔ ابھی حیدر آباد ہی پہنچے تھے کہ اگلے ہفتے کا انتظار کرنا پڑا۔ 'ایک لکیر، ایک سبق' سبق آموز تحریر تھی۔ 'مزے دار سیر' میں ہم نے لیک ویو پارک کی سیر کی۔ 'بجوکا جن' ہمیں سمجھ میں نہیں آئی یہ 'بجوکا' کیا ہوتا ہے؟ 'میر حجاز' اچھا جا رہا ہے۔ آمنے سامنے میں بارہویں نمبر پر اپنا خط پا کر بہت خوشی ہوئی، بہت بہت شکریہ! (حفصہ شمس الدین۔ ملتان)

ج: گن کر دیکھیے، اس بار کون سا نمبر ہے؟

☆ آج کل 'میر حجاز' جیسا ناول تو ویسے ہی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی اور ٹھنڈک بخشتا ہوگا اور اتنا اچھا اور پر اثر ناول لکھنے پر میں ڈاکٹر صاحب کو مبارک باد دینا چاہوں گی۔ ہمارے علاقے 'شکر گڑھ' سے کبھی کسی کا خط یا کہانی شائع نہیں ہوئی اس لیے میں امید کرتی ہوں کہ آپ میرا خط شائع کر دیں اور مجھے ایک اچھی سی دعا دیں تاکہ میں آپ کو ڈھیر ساری دعاؤں سے نواز سکوں۔

(بنت خالد رشید۔ گمھالہ، شکر گڑھ)

ج: آپ نے لکھا کہ اچھی سی دعا دیں "تاکہ" میں بھی دعا دوں۔ یہ تو آپ نے شرط لگا دی۔ دعاؤں میں شرط نہیں لگاتے، دعا تو دل سے خود بخود نکلتی ہے اور جسے دی گئی ہو اسے سرسبز و شاداب کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں اپنے پیاروں کے ساتھ خوش و خرم رکھے، آمین!

☆ شمارہ ۱۰۹۱ میں قرآن وحدیث سے محظوظ ہونے کے بعد مدیر چاچو کے ساتھ شاندار تصوراتی سفر میں شریک ہوئے (کاش یہ حقیقت ہو جائے) جس میں مدیر چاچو کا سب کو ساتھ لے کر چلنے کا قائدانہ انداز نہایت پسند آیا لیکن ٹنڈو آدم میں میزبانی مدیر چاچو کے بجائے کسی اور نے کی اس نے حیرت میں ڈال دیا۔ 'دیر نہیں لگتی' کاوش صاحب کی زبردست کہانی تھی۔ 'صرف محتاط' میں مدیر صاحب مشفقانہ انداز میں لفافے پر پنیں لگانے کی اجازت دیتے نظر آئے، پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ 'ان کے کوچے میں' ہمارے امیر صاحب کی خستہ حالت دیکھ کر نہایت رحم آیا۔

(عبیداللہ۔ بنوری ٹاؤن، کراچی)

ج: کراچی میں دعوت کر لی تھی، ٹنڈو آدم میں سیر کروا دی اور کیا چاہیے بھئی!

☆ بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے اپنا خط دیکھ کر اور اس سے زیادہ جواب پڑھ کر۔ دستک میں 'مئی میں سردی' پڑھ کر ہم بھی آپ سے اتفاق کرتے ہیں۔ 'اللہ میاں آپ بہت اچھے ہیں' کہانی تو اچھی تھی مگر کرداروں کے نام واللہ! حتلا کے رہ گئے۔ 'میر حجاز' جو کہ ہم سب سے پہلے پڑھتے ہیں معمول کے مطابق پڑھنے لگے تو درمیان میں پھپھو آگئیں پورا صفحہ پڑھ چکے مگر سمجھ نہیں آیا۔ پچھلا صفحہ پلٹا تو 'اچھی آواز' دیکھ کر اپنی حماقت پر ہنسی آئی۔ شمارہ ۱۰۸۷ 'قصور'، 'ساڈا کی اے' بہت اچھی کہانی تھی۔ مسکراہٹ کے پھول' اب بہت اچھے کھلنے لگے ہیں۔ ہم غیر حاضر دماغ نمائندے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی اب صاحب کتاب ہوگئے۔ 'ان کے کوچے میں' محمد فضیل فاروق کا دلچسپ سفرنامہ ہے۔ نوڈلز کی بابت پڑھ کر ہنسی آئی ہمیں بھی پسند ہیں۔ 'مسکراتے لمحے' ابوالحسن پڑھ کر اچھا لگا مگر وہ جیل میں کیوں ہیں؟ ان کے خط وغیرہ پڑھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ اللہ ان کو رہائی دیں خیر سے!

(طیبہ راؤ۔ علی پور، مظفر گڑھ)

ج: مبارک باد آپ نے دی، اب غیر حاضر دماغ نمائندے کو بھی شکریہ ادا کرنے کا موقع دیں، ان کی کتاب منگوا کر۔ اس نمبر (03318668134) پر غیر حاضر دماغ نمائندے کے حاضر دماغ نمائندے شاہد فاروق بھائی سے کتاب منگوائی جا سکتی ہے۔

☆ مجھے پوری امید تھی کہ میرا خط ضرور شائع ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے باوجود میں نے امید ترک نہیں کی اور خط کتابت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے دوسرا خط لکھ رہی ہوں۔ چچا جان! مجھے شمارہ ۱۰۹۲ کے پیچھے دی جانے والی تصاویر جس میں ہمیں پانچ فرق ڈھونڈنے کے لیے دیے گئے بہت پسند آئیں۔ ایسا سلسلہ لگاتے رہا کیجیے۔ (بنتِ امتیاز۔ ڈسکہ)

ج: جی کوشش کریں گے کہ مہینے میں ایک آدھ بار آجائے۔

☆ 'جاسوس بڑھیا' پڑھ کر ببلو اور دادی اماں یاد رہ گئیں۔ ہم نے ان کا یعنی ڈاکٹر سارہ الیاس کا انٹرویو قسط وار خواتین کا اسلام میں پڑھا۔ ہمارے کیے گئے سوال کے جواب پر ان

کے جواب نے لاجواب کردیا۔ان کی ذہانت پر اش اش کرتے رہے۔ہماری خوشی سیر تھی پھر سوا سیر ہوگئی جب ہم نے پڑھا کہ ہمارا نام بھی اُن کی گڈ بک میں شامل ہے۔بوکھلاہٹ میں ہو رہا ہے ناں کچھ الٹم پٹم۔اس لیے اب اجازت، کتاب میلے کا انتظار رہے، ہوسکتا ہے اس بار ہم بھی شرکت فرمالیں۔تصوراتی سفر کب لاہور پہنچتا ہے ہم منتظر بیٹھے ہیں۔(عشرت جہاں۔لاہور)

ج: اب تو پہنچ کر ختم بھی ہوگیا۔اور کون سے کتب میلے میں؟ دسمبر کراچی میں یا مارچ لاہور میں؟

☆ شمارہ ۱۰۹۲ کے صفحہ ۳ کی تحریر قابل رشک تھی۔'پلاسٹک کی کہانی' نے بھی خوب معلومات فراہم کی۔'پیارے بچے' پیاری نظم تھی۔'وقت بتائے گا' ایک معاشرتی کہانی تھی۔'بلی اور ہم' نے تو خوب مسکراہٹ بکھیری اور کہانی کا اختتام تو کمال کر گیا جس نے انسان کو اصل راستے کی رہنمائی کی۔'آمنے سامنے' میں اپنا خط دیکھ کر دل اور آنکھیں خوشی سے بھر گئیں۔(بحمد للہ! اس سال ہمیں ہمارے خطوط ہر ماہ شائع ہوکر خوشی پر خوشی دے رہے ہیں خدا نظر بد سے ہمارے خطوط کو بچائے)۔پس پشت کے پانچ فرقوں میں سے ایک فرق نے خوب دماغ گھمایا جو کہ کرسی کے اندر چھپا ہوا تھا، باقی چار آسان تھے۔شمارہ ۱۰۹۳ انوکھا در انوکھا تھا۔اس میں مستقل سلسلے خطوط، دستک، مختصر پر اثر، جواہرات، مسکراہٹ وغیرہ اگرچہ غائب تھے مگر دیگر تحریریں انوکھی ثابت ہوئیں۔'ایڈیٹر کا جواب' نظم بھی دلچسپ تھی۔(مولانا محمد اشرف۔حاصل پور)

ج: ہمیں خود یہ پانچواں فرق بہت مشکل سے ملا۔

☆ چچا جان! فائزہ حمزہ کی کہانی پیاری بلی سوری کو پڑھ کر بہت مزہ آیا۔اس طرح اور کوئی کہانی بھی لگائیں، تاکہ مجھے اور بھی سبق مل جائے اور مسکراہٹ کے پھول بھی لگائیں۔میری یہ خواہش ضرور پورا کرنا اور یہ شائع بھی کرنا۔(عافیہ۔میٹرو ول سائٹ، کراچی)

ج: ان شاء اللہ تعالیٰ پوری ہوگی۔

☆ شمارہ ۱۰۹۲ میں ''ایک تصوراتی سفر'' پڑھ کر ہمیں بہت مزہ آیا۔'ان کے کوچے میں' آثارِ نبوی نے ہمارا جذبہ ایمان تازہ کردیا۔'میر حجاز' کی کیا تعریف کریں، اللہ کرے یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے۔مسکراہٹ کے پھول بھی بہت اچھے تھے۔آمنے سامنے میں ہمارے چچا جان بہت مزے کے جوابات دے رہے ہیں۔(امامہ میر۔میٹرو ول سائٹ، کراچی)

ج: ہمیں تو خود اندازہ نہیں کہ جوابات مزے کے ہوتے ہیں، ورنہ ہم اچھے خاصے چٹورے ہیں!

مسکراہٹ کے پھول

انتخاب: عبداللہ شاہین۔ٹنڈو الہیار

بے فکر:

ایک سیاح نے ایک ملاح سے پوچھا:

''میں اس نہر میں نہانے جا رہا ہوں۔اس میں خطرے والی تو کوئی بات نہیں؟''

''نہیں، نہیں، آپ بے فکر ہو کے جائیں، اس میں جتنی بھی چھوٹی بڑی مچھلیاں ہوتی ہیں، وہ مگرمچھ نگل جاتا ہے۔'' ملاح نے اطمینان سے جواب دیا۔

پختہ عزم:

آصف نے نئے سال کا آغاز پر اپنے دوست خرم سے کہا۔

''میں نے پختہ عزم کر رکھا ہے کہ اس سال کم از کم میں اپنی آمدنی اور وسائل کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کروں گا، چاہے اس کے لیے مجھے کہیں سے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے!''

سچ سچ:

ایک مداری تماشا دکھا رہا تھا۔تماش بین کے گرد ایک چکر لگا کے ہجوم میں سے اس نے ایک لڑکے کو روایتی انداز میں بلا کر پوچھا لڑکے! سچ سچ بتاؤ تم نے مجھے کہیں دیکھا تو نہیں یا مجھے جانتے تو نہیں..... لڑکے نے معصومیت سے جواب دیا۔

''نہیں ابا جان!''

جو بچہ کھاتا ہے:

ڈاکٹر: آپ کھانے میں احتیاط کریں، بس وہ چیز کھائیں جو آپ کا بچہ کھاتا ہے۔

مریض: (گھبرا کر) وہ تو کوئلے اور مٹی کھاتا رہتا ہے۔

☆☆☆

میں تمھارے پیغمبر کی بہن ہوں!

جنگِ حُنین میں جب دُشمن کے کئی ہزار آدمی قید کر لیے گئے تو اُن قیدیوں میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچپن میں کھلایا کرتی تھیں۔حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرورش پائی اور اُن کا دودھ پیا تھا۔جب صحابۂ کرام نے اُنھیں گرفتار کیا تو اُنھوں نے بلند آواز میں کہا:

''لوگو! میں تمھارے پیغمبر کی بہن ہوں۔''

صحابہ یہ سُن کر بہت حیران ہوئے اور انھیں لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اُنھیں دیکھتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور دیر تک اُن سے محبت بھرے انداز میں باتیں کرتے رہے اور اُس کے بعد ارشاد فرمایا:

''جی چاہے تو مدینے چل کر میرے پاس رہو اور اگر اپنے گھر واپس جانا چاہو تو تمھیں اختیار ہے۔''

اُنھوں نے اپنے گھر جانا پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنھیں تحائف دے کر رخصت فرمایا۔اُنھیں رِہا کرنے کے بدلے میں غزوۂ حنین کے تمام اسیرانِ جنگ کو بھی رہا کر دیا۔

(انتخاب: محمد موسیٰ۔کراچی)

یادوں کا سلطان

زندگی گزارنا اور زندگی جینا، دو الگ باتیں ہیں۔ دونوں میں فرق مقصد سے پیدا ہوتا ہے۔ بے مقصد زندگی گزارنے والے بکثرت نظر آتے ہیں، بامقصد زندگی والے لوگ ہی دراصل زندگی کو جیتے ہیں۔

سلطان خان پرائیں خیل نے اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ، پہلے طبقے، جبکہ آخری دو تہائی حصہ دوسرے طبقے میں گزارا۔ پہلے حصے میں وہ ایک دہشت ناک شخصیت تھے۔ حدیث مبارکہ کے مفہوم کے مطابق اسلحہ مومن کا زیور ہے، لیکن وہ اس کو لوگوں پر رعب طاری کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کے غصے اور اکھڑ مزاجی کی وجہ سے لوگ ان سے دور بھاگتے۔ لوگوں کو خوف زدہ دیکھ کر ان کے دل کو تسکین ملتی۔

پھر ان کا واسطہ اُن لوگوں سے پڑ گیا جو ذرا کھری ٹائپ کے تھے۔ انھیں حیرانی اس بات پر ہوئی کہ یہ لوگ نہ تو ان سے مرعوب ہوئے تھے نہ چندہ مانگا بلکہ یہ تو کچھ دینے آئے تھے۔ سلطان خان کو اللہ پاک نے حق شناس دل عطا فرمایا تھا اگرچہ حالات اور ماحول کی وجہ دل پر غلاف سا چڑھ گیا تھا، لیکن اِن درویش صفت لوگوں کی بات اور استغنا نے دل پر وہ اثر کیا کہ گناہوں اور غفلت کا سارا زنگ لمحہ بھر ہی میں اتر گیا۔ اس کے بعد سلطان نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا۔

وہ پورا علاقہ (میانوالی کا ایک گاؤں) اگرچہ جدی پشتی مسلمانوں کا تھا، لیکن مشرکانہ عقائد و رسوم کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ سلطان خان اس اندھیرے میں روشنی کا پہلا چراغ بنے اور ایسا بنے کہ شرک و بدعات کی آندھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

سلطان خان نے اپنی ذاتی زمین میں مسجد بنائی، مدرسہ بنایا۔ ان کی بہادری اور جرأت، اب حق کی حمایت اور اشاعت میں کام آئی۔ جان مال وقت، اللہ جل شانہ کے دین کے لیے وقف کر دیا۔ دو مرتبہ اندرون سال پیدل لگایا۔ چلے اور چار ماہ کا تو شمار ہی نہیں۔ تبلیغی معمولات کی ہمیشہ پابندی کی، اولاد کو حافظ و عالم بنایا۔

یوں تو اللہ پاک نے ان کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا لیکن مستقل مزاجی ان کی بہت اہم خوبی تھی۔ جب ایک کام میں لگے تو شرح صدر کے ساتھ زندگی کی آخری سانس تک کام کو خود پر سوار کر کے کیا۔ اللہ پاک کی توفیق و نصرت سے، تن تنہا پورے ماحول کو بدل ڈالا۔

ہم کو بدل سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے خود ہے زمانہ، زمانے سے ہم نہیں

اللہ پاک نے انھیں بارعب شخصیت عطا کی تھی لیکن درحقیقت عجز و انکسار کا پیکر تھے۔ لباس و مزاج میں سادگی تھی۔ تکلف اور بناوٹ نام کو نہ تھی۔ بہت مہمان نواز تھے، لیکن مہمان نوازی میں بھی سادگی اور مہمان کی راحت کو فوقیت دیتے۔ اچھے اخلاق اور سادہ خوراک کی بدولت قابل رشک صحت کے مالک تھے۔ مومنانہ شجاعت اور استغنا میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ جھکنا اور دبنا انھوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ دینی محفلوں میں نہایت نرمی و تواضع سے ملتے گویا حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم اور رزم حق و باطل میں فولاد تھے۔

راقم کا ان سے تعلق نہایت بے تکلفی اور دوستی کا تھا۔ باوجود اس کے کہ عمر میں تقریباً چالیس سال سے زیادہ کا فرق تھا۔ پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود اچھا خاصا فہم دین رکھتے۔ فرائض کے ساتھ اذکار، تلاوت و ادعیہ کے معمولات پابندی سے ادا کرتے۔ دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے حالات پر نہایت دل گرفتہ رہتے۔ ۲۰۱۴ء میں غزہ پر اسرائیلی حملوں سے بہت دکھی تھے۔ کہنے لگے اب ہڈیوں میں جان نہیں رہی، ورنہ دل کرتا ہے جا کر کفار سے جہاد کروں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اِس کڑھن اور مبارک نیت پر ان کو اجر ضرور ملا ہوگا۔ ان کو شہادت فی سبیل اللہ کی طلب تھی۔ حدیث مبارکہ کے مفہوم کے مطابق سچے دل سے شہادت کی طلب کی وجہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ انھیں شہیدوں کا درجہ ضرور ملا ہوگا۔

گرفتاری کے بعد ان سے ملاقات تو نہ ہوئی لیکن مجھے معلوم تھا کہ میرے لیے انتہائی اخلاص سے دعا کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہیں۔ مجھے امید تھی کہ مجھے جب آزادی ملے گی (اللہ پاک جلد بعافیت عطا فرمائیں۔ آمین) تو وہ سب سے زیادہ خوش ہونے والوں میں سے ہوں گے، لیکن اللہ پاک نے مختصر علالت کے بعد ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ الجنۃ مع الابرار۔ (آمین)

قید میں پیش آنے والے صدموں میں یہ سب سے بڑا صدمہ ہے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆